باسمہ تعالیٰ

تو اسے پیمانۂ امروز وفردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی
اقبالؔ

اسلام کا نظریۂ حیات وممات

تالیف

مفکر اسلام حضرت علامہ مظفر حسن صاحب ظفرادیبی

ناشر

پسران حضرت علامہ ظفرادیبی صاحب محلہ پورہ رانی، مبارک پور، اعظم گڈھ

انتساب

میں اپنی اس مختصر سی تالیف کو اپنی مادر علمی

"دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم" مبارکپور سے

منسوب کرتا ہوں۔ جہاں میں نے اپنے شفیق اساتذہ کے زیر سایہ

تعلیم وتربیت حاصل کی۔ پھر تقریباً ۲۲ ربرس تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

مظفر حسن ظفر ادیبی

مبارکپوری

کتاب: اسلام کا نظریہ حیات وممات

تالیف: مفکر اسلام حضرت علامہ مظفر حسن صاحب ظفرادیبی

پروف ریڈنگ: حضرت مولانا ڈاکٹر نثار احمد صاحب اعظمی مبارکپوری

کمپوزنگ: مولانا منظور احمد ضیائی ثقافی خیر آبادی (مصباحی کمپیوٹر پوائنٹ)
نزد اشرفیہ ہائی اسکول مبارکپور اعظم گڈھ (یوپی)

سن اشاعت: ۲۵/ جولائی ۲۰۰۳ء

تعداد اشاعت: ایک ہزار (۱۰۰۰)

ناشر: پسران مفکر اسلام علامہ ظفرادیبی صاحب قبلہ
محلہ پورہ رانی مبارکپور اعظم گڈھ (یوپی)

دعائیہ

حضرت علامہ ومولانا محمد اکرام الحق صاحب قبلہ

شیخ الحدیث مدرسہ خیریہ فیض عام مداپور گھوسی (مئو) یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ،نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم الرؤف الرحیم

مفکر اسلام حضرت مولانا مظفر حسن صاحب قبلہ ظفر ادیبی مدظلہ العالی سے میرے قدیم مخلصانہ تعلقات رہے ہیں۔آپ کی علالت کی خبر پا کر ناچیز ۱۱ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ بروز دوشنبہ بغرض عیادت حضرت کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔آپ نے اپنی کتاب ''اسلام کا نظریۂ حیات وممات '' کا مسودہ پیش کیا۔اور دعائیہ کلمات تحریر کرنے کی خواہش ظاہر کی۔قلت وقت کی وجہ سے میں بالاستیعاب کتاب کا مطالعہ نہ کر سکا۔بہر حال حضرت کی یہ تصنیف عصر حاضر میں مسلمانوں کے لئے آئینۂ ھدایت ہے۔اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی اس تصنیف لطیف سے قوم مسلم کو حیات وممات کا فلسفہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت کو صحت کلی اور عمر میں برکت عطا فرمائے نیز مزید کتاب تصنیف کرنے کی توفیق رفیق بخشے تاکہ قوم مسلم زیادہ سے زیادہ آپ کے علم سے مستفیض ہو سکے۔بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد اکرام الحق عفی عنہ

۱۶/جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ

۱۶/اگست ۲۰۰۳ء بروز شنبہ

سطرے چند

پیر طریقت حضرت مولانا قاری صوفی محمد صفی اللہ صاحب قبلہ سرور القادری

صدر مرکزی تنظیم اہلسنت بنارس

مفکر ملت حضرت علامہ مظفر حسن صاحب ظفر ادیبی ملک کے نامور خطیب اور مقرر ہیں۔ مرکزی سیرت کمیٹی بنیا باغ کے شہرۂ آفاق عظیم الشان تاریخی اجلاس میں ہر سال کمیٹی کی جانب سے مقررہ عنوان کے تحت خطاب فرماکر خراج تحسین حاصل کرتے رہے۔ مثلاً ''رحمۃ للعالمین'' ''اسلام اور کمیونزم'' ''اسلام کا پیغام انسانیت ومساوات'' ''حقوق والدین وغیرہ۔ غرض جو بھی موضوع ہوتا اس پر آپ گہرائی سے روشنی ڈالتے۔ عموماً آپ کا موضوع سخن کسی مخصوص طبقۂ فکر کے لئے نہ ہوتا بلکہ اسلام کا وہ عالمی پیغام ہوتا جو ایک طرف قلب مومن کو ایمان وایقان کے انوار سے جگمگا دیتا تو دوسری طرف مغرب زدہ لوگوں کو لمحۂ فکر بھی دیتا۔ دانشور طبقہ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ آپ کی تقریر سماعت کرتا۔ تقریر میں خصوصاً الحاد کے خلاف ایسے مواد ہوتے جو دماغوں میں ہلچل سی مچا دیتے۔ اور آنکھوں کا پتا کھل جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث کے علاوہ مستشرقین اور یورپی مفکرین کے حوالوں سے بھی بقدر ضرورت کام لیتے۔ اور یہ مولانا کے وسیع المطالعہ ہونے کی خوبی ہے۔ خطابت کے وقت ماحول پر سکون رہتا۔ سامعین ہمہ تن گوش ہوتے۔ بے محل اور غیر ضروری نعرہ بازی گراں ہوتی۔ انداز بیان نہایت مہذب، مودب اور محتاط ہوتا۔ چنانچہ ایک بار مدرسہ مجیدیہ کے جلسۂ دستار کے موقع پر آپ نے

کسی مقرر کی تقریر کے بعد فرمایا تھا کہ ''احادیث نبویہ کے بیان میں بیحد احتیاط ملحوظ رہنی چاہیئے الفاظ حدیث سے ہٹ کر صرف لذت بیان کے لئے حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔ احادیث کریمہ میں تو خود ہی لذت ہے''۔

حضرت علامہ کی تقریر کا ایک خاص پہلو ان کا سوز دروں بھی ہے جو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ جن کے دلوں میں عشق مصطفی ﷺ کی ہلکی سی بھی چنگاری ہوتی ہے محسوس کرتا ہے گویا علامہ اسے ہوا دے رہے ہوں اور وہ اندر ہی اندر آہستہ آہستہ سلگتی جارہی ہو۔ مولائے کریم حضرت کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین۔

عرصہ سے علامہ کے محبین ومخلصین کی دلی خواہش تھی کہ تقریریں تو بہت ہوئیں اب کچھ تالیف، تصنیف کی بھی ضرورت ہے تاکہ بعد والے بھی استفادہ کرسکیں لیکن علامہ کسی وجہ سے ٹالتے رہے یا پھر بقول ان کے ''موڈ نہیں بن پارہا'' اور صورت حال یہ ہوئی کہ ؎

مضمحل ہوگئے قویٰ غالب اب عناصر میں اعتدال کہاں

آخر اصرار پیہم کے سبب کسی طرح آمادہ ہوئے اور حالات کی ناموافقت اور مزاج کی نامساعدت کے باوجود ''اسلام کا نظریۂ حیات وممات'' کے عنوان سے پیش نظر کتاب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ جو در حقیقت علامہ کی ایک تقریر ہی ہے۔

لکھنے والے کا شکر ادا کروں یا لکھوانے والوں کی شکر گزاری، بہر حال حمد ہے اسی رب جلیل کو جس نے توفیق بخشی۔ اب آپ اس کتاب کو علامہ کی یادگار سمجھئے یا تبرک مرضی آپ کی۔

گدائے صوفی

محمد صفی اللہ سرور القادری

صدر مرکزی تنظیم اہلسنت بنارس

باسمہ تعالیٰ

عرض حال

محترم قارئین! میری زندگی کا زیادہ تر حصہ درس وتدریس کی انجام دہی میں گزرا اور اسی کے ساتھ مختلف عنوانات پر تقریریں کرتا رہا۔ تالیف، تصنیف سے ہمیشہ ہچکچاتا رہا۔ احباب و مخلصین اصرار کرتے رہے کہ کتاب لکھوں۔ مگر ان کی خواہش کی تعمیل نہ کرسکا۔ بہت پہلے میرا ایک مضمون ''نئی دنیا'' میں اس وقت شائع ہوا تھا جب خبیث رشدی کی کتاب ''شیطانی آیات'' منظر عام پر آئی۔ میں ڈاکٹر مولوی نثار احمد صاحب کی ڈسپنسری میں بیٹھا تھا اور وہیں پر اس کتاب کا کچھ حصہ اخبار میں پڑھا پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہیں ایک مضمون لکھ ڈالا جو ''نئی دنیا'' میں چھپا۔ اس کے بعد ایک کتابچہ ''لفظ کملی کا شرعی وادبی جائزہ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد اس کتاب کو لکھنے کا خیال اس وقت آیا جب گزشتہ سردیوں میں میں شدید بیمار ہوگیا۔ کمر کے درد سے میں اتنا مجبور ہوگیا کہ میرا چلنا پھرنا بند ہوگیا۔ اسی بیماری کی حالت میں خیال آیا کہ زندگی اور موت پر کچھ لکھوں۔ جس کا میں نے ڈاکٹر مولوی نثار احمد سے اظہار کیا، انہوں نے اس کی زبردست تائید کی۔ پھر میں نے قلم اٹھالیا۔ بیماری کی وجہ سے میں بستر پر لیٹ کر لکھتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا۔ جیسے جیسے میں لکھتا گیا ویسے ویسے مجھے صحت ملتی گئی آج میں کچھ چل پھر لیتا ہوں۔

کتاب کی تالیف میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمانی مبارکپوری کا ممنون ہوں کہ حوالہ کے لئے کتاب کی فراہمی میں انہوں نے کافی تعاون کیا۔ اور اگر ڈاکٹر مولوی نثار احمد صاحب نہ ہوتے تو میں کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ان کا معمول تھا کہ صبح غریب خانہ پر آجاتے اور میری لکھی ہوئی تحریر کو نقل

کرتے۔ بیماری کے سبب ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں جو کچھ لکھتا اس کو خود ہی نہیں پڑھ پاتا تھا۔ ڈاکٹر مولوی نثار احمد صاحب میری تحریر کو غور سے پڑھتے جو بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی وہ پوچھ لیتے پھر اس کو نقل کر لیتے۔ ایسی صورت میں قوی امکان ہے کہ کچھ خامیاں ہوں جس کے لئے قارئین سے معذرت خواہ ہوں اور امید کرتا ہوں مجھے میری غلطیوں سے آگاہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خود راقم کو اور اس کتاب کی تیاری میں تعاون کرنے والوں اور اس کی نشر واشاعت میں ہاتھ بٹانے والوں نیز جملہ مسلمانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے اور میرے لئے اسے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

وما ذلك على الله بعزيز وهو المستعان وصلى الله على نبيه محمد وعلىٰ واله وصحبه وسلم

مظفر حسن ظفر ادیبی مبارکپوری

جمعۃ المبارک ۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

۲۰۰۳/۷/۲۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش لفظ

میری پیدائش ۲۰/دسمبر ۱۹۱۹ء کو قصبہ مبارکپور کے ایک بڑے زمیندار گھرانے میں ہوئی ذرا ہوش سنبھالنے کے بعد اس وقت کے دستور کے مطابق محلے کے کسی گھر میں قرآن شریف پڑھنے لگا۔ پھر اردو تعلیم کے لئے میرا اور میرے ماموں زاد بھائی مولوی اشہد حسن انصاری کا مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم واقع محلہ پرانی بستی میں داخلہ کرایا گیا۔ یہ وہ عمارت تھی جس کو میرے دادا شیخ عبدالوہاب انصاری اور ان کے بھائیوں نے دینی تعلیم کے لئے قوم کے نام وقف کیا تھا جس کی پختہ نقل میرے ماموں زاد بھائی مولوی اسرارالحسن انصاری اشرفی کے پاس موجود ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ۱۹۳۴ء میں ہم دونوں اعظم گڈھ شبلی جارج ہائی اسکول میں داخل کردیئے گئے وہاں میں ٹائیفائڈ میں مبتلا ہوگیا جس کے سبب میں امتحان میں شریک نہ ہوسکا۔ اس طور پر ہم دونوں گھر واپس آگئے یہی وہ زمانہ تھا جب قصبہ مبارکپور کے ارباب حل وعقد کو ضرورت محسوس ہوئی کہ مدرسہ کی تعلیمی سطح کو اور اونچا ہونا چاہیئے۔ اس تجویز کو کمیٹی نے سرپرست مدرسہ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے سامنے پیش کیا۔ اور حضرت نے فوراً اسے قبول فرمالیا اور ادارہ کے لئے ایک نئے عظیم منصب مربی مدرسہ کا اضافہ فرمایا اور اس کے لئے جماعت کے سب سے بڑے عالم ماہر تعلیمات حضرت مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ کا انتخاب فرمایا اور حضرت اقدس نے بطیب خاطر اسے قبول فرمالیا پھر کمیٹی کی درخواست پر حضرت ہمارے گھر رونق افروز ہوئے اس وقت میں اپنے گھر کے صحن میں موجود تھا میں نے دیکھا کہ حضرت کی تشریف آوری کے بعد یک لخت سناٹا چھا گیا تمام حضرات سراپا مودب ہوگئے اس وقت

قصبہ کی اہم شخصیات ہمارے صحن میں موجود تھیں۔ان میں خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل افراد قابل ذکر ہیں۔میرے ماموں شیخ محمد امین صاحب انصاری صدر مدرسہ،مولانا حکیم محمد عمر صاحب،مولوی فقیر اللہ صاحب،جناب قاری محمد شفیع صاحب علیھم الرحمۃ۔نشأۃ ثانیہ کے لئے کسی بڑے عالم کے انتخاب کے مسئلہ پر مولانا حکیم محمد عمر صاحب علیہ الرحمۃ نے مربی مدرسہ کے ساتھ دیر تک گفتگو کی پھر اس کے لئے مربی مدرسہ نے استاد گرامی حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کا انتخاب فرمایا اس طور پر حافظ ملت علیہ الرحمۃ ہمارے گھر اپنے ہمراہ آنے والے طلباء کے ساتھ قیام پذیر ہوگئے اس وقت ہمارے لئے خور دونوش کا کوئی مسئلہ نہیں تھا اس لئے نئے طالب علم جو بھی آتے سیدھے ہمارے گھر پہونچ جاتے لیکن طلباء کی تعداد جب کافی بڑھ گئی تو مدرسہ اشرفیہ کی بالائی منزل کی صفائی کرادی گئی۔اس کے بعد حافظ ملت علیہ الرحمۃ طلباء کے ساتھ وہاں منتقل ہوگئے اشرفیہ کی پہلی منزل میں میرے استاد گرامی حضرت مولانا شمس الحق صاحب علیہ الرحمۃ فارسی اور پرائمری شعبہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہے تھے۔چونکہ انگریزی تعلیم کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا اس لئے ایک روز حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے میرے ماموں شیخ محمد امین انصاری صاحب سے فرمایا کہ ان بچوں کو مدرسہ میں فارسی تعلیم کے لئے داخل کرد یجیے یہ ان کے لئے انشاء اللہ بہت مفید رہے گا اس طور پر میں مدرسہ اشرفیہ میں پڑھنے لگا اور شرح سلم،ملاحسن تک پوری دلجمعی کے ساتھ پڑھتا رہا پھر کچھ دنوں کے لئے ندوہ چلا گیا۔چونکہ گھر سے باہر رہنے کا عادی نہیں تھا بہت جلد وہاں سے واپس آگیا۔پھر مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں میں نے داخلہ لے لیا اور وہاں میں نے مسلم شریف،بخاری شریف،حجۃ اللہ البالغہ اور دیوان امرؤالقیس کے کچھ حصہ پڑھے لیکن افسوس کہ طبعی اکتاہٹ پھر آڑے آگئی اور میں بغیر سند فراغت لئے ہوئے گھر واپس آگیا۔

یہ میرا مکمل بیکاری کا دور تھا شعر وشاعری کا پہلے ہی سے کچھ ذوق رکھتا تھا اور بیکاری کا مشغلہ شعر وشاعری سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے میں پورے طور پر اس میں غرق ہوگیا ایک روز میں ڈاکٹر مقبول سحر برآمد پوری کی ڈسپنسری میں بیٹھا ہوا تھا کہ مدرسہ اشرفیہ کا ایک طالب علم میرے پاس آیا اور

اس نے کہا کہ آپ کو حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ یاد فرمارہے ہیں میں فوراً اس کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گیا حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو صلاحیت بخشی ہے اس سے کام لیتے تو اب تک بخاری شریف پڑھا چکے ہوتے اور فرمایا کہ ایک جگہ خالی ہوئی ہے اگر آپ پسند کریں تو مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو سکتا ہے۔ ''بیٹھانا ہمارا کام ہے اور بیٹھنا آپ کا'' میں نے حضرت کی اس کریمانہ پیش کش کو منظور کر لیا اور دوسرے روز سے پڑھانا شروع کر دیا حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا یہ وہ عظیم احسان ہے جس سے میں کبھی بھی سبک دوش نہیں ہو سکتا اگر حضرت نے مجھے شعر وشاعری کی دنیا سے نکال کر دینی درسگاہ میں نہ پہونچایا ہوتا تو میں ایک معمولی درجہ کا شاعر ہوتا اور بس!

قارئین! میری تدریسی زندگی کا آغاز تو ۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۱ء میں ہو چکا تھا۔ تقریر اور خطابت کے میدان میں میں نے ۱۹۵۳ء میں قدم رکھا اور آغاز مدرسہ شمس العلوم کریم الدین پور گھوسی کے زیر اہتمام جلسۂ عید میلاد النبی ﷺ کے اسٹیج سے کیا پھر کچھ دنوں کے بعد مدرسہ فیض عام خیریہ مداپور حضرت مولانا اکرام الحق صاحب مدظلہ کی دعوت پر حاضر ہوا اور وہاں کے اجلاس میں اب تک میری شرکت جاری ہے۔ ان جلسوں کے علاوہ چھوٹے بڑے اور جلسوں میں تقریریں کرتا رہا۔

ابھی میری تقریری زندگی کا آغاز ہی تھا کہ تبلیغ سیرت کانفرنس پٹنہ کے لئے دعوت نامہ ملا وہاں عمائدین علمائے اہلسنت موجود تھے قابل ذکر سرکردہ شخصیتوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت مولانا محمد قدیر صاحب بدایونی، مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب صدر تبلیغ سیرت کمیٹی ، حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی، حضرت مولانا مفتی عبدالحفیظ صاحب آگرہ، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کچھوچھوی، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب لکچرر مسلم یونیورٹی علی گڈھ، حضرت مولانا صوفی سلیم اللہ صاحب بنارسی میرے معاصرین میں مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی وغیرہ موجود تھے۔ تبلیغ سیرت کانفرنس کی صدارت حضرت مولانا محمد قدیر صاحب بدایونی نے فرمائی اور نظامت کے فرائض حضرت مولانا صوفی سلیم اللہ صاحب بنارسی نے انجام دیئے پہلے اجلاس میں تقریر کے لئے حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب کے ساتھ مجھے رکھا گیا۔ پہلے میں نے تقریر کی اس کے بعد

حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب نے۔ میں مولانا کے سنجیدہ اور پروقار لب ولہجہ سے بہت متاثر ہوا کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب نے مجھے علی گڈھ جلسہ عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدعو کیا۔ وہاں بڑی تعداد میں یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء موجود تھے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تقریر کی وہاں خلاف قیاس اور ضرورت سے زیادہ میری پذیرائی ہوئی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ اس کے بعد مولانا صوفی سلیم اللہ صاحب نے دوسری بار اپنے مرکزی سیرت کمیٹی کے جلسے میں مدعو فرمایا۔ یہ جلسہ سالانہ بنیاباغ کے وسیع میدان میں ہوا کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بنیاباغ کا سالانہ اجلاس میری تربیت گاہ ثابت ہوا میرے برادر بزرگ حضرت مولانا صوفی سلیم اللہ صاحب بنارسی کی رہنمائی وحوصلہ افزائی نے مجھے قدم بقدم آگے بڑھنے کا سلیقہ بخشا۔ مولانا ہر مقرر کے لئے پہلے عنوان شائع کردیتے یہ چیز میرے لئے بہت سودمند ثابت ہوئی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد تنظیم اہلسنت مالتی باغ مدنپورہ بنارس کے اجلاس میں بھی عنوان متعین کئے جانے لگے۔ اس طور پر دو عنوانات پر مجھے تیاری کرنی پڑتی۔ بنیاباغ جلسہ کے مخلص کارکنان جو ہمیں داغ مفارقت دے گئے، مثلاً صدر اجلاس حضرت مولانا صوفی سلیم اللہ صاحب علیہ الرحمۃ، ولی محمد بھائی، حاجی محمد یعقوب صاحب علیہم الرحمۃ کی جب یاد آتی ہے تو دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

ناظرین! تقریباً بائیس برس تک تدریسی خدمات کے ساتھ تقریر وخطابت کا مشغلہ جاری رہا۔ پھر اچانک ۱۹۷۱ء میں **دارالعلوم اشرفیہ** کے اندر بڑا ہی ہیجان خیز انقلاب برپا ہوا اور میں اس کی تند وتیز لہروں میں تنکے کی طرح بہہ کر مدرسہ سے باہر آگیا۔ یہاں پر میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ مدرسہ سے میری علیحدگی پر استاد گرامی حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ خوش نہیں تھے۔ حضرت اقدس نے اپنے دکھ کا اظہار اس وقت بڑے واضح الفاظ میں فرمایا جب میں حضرت کی خدمت میں آخری وقت ملاقات کے لئے حاضر ہوا وہاں کافی لوگ موجود تھے ان میں جناب مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب علیہ الرحمۃ، عالیجناب ماسٹر آفتاب صاحب اور مولوی

عنایت اللہ صاحب کے نام اچھی طرح یاد ہیں۔انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر بہت غمناک لہجہ میں فرمایا ''مدرسہ سے آپ کی جدائی پر مجھے بے حد دکھ ہے خیر سلامتی کا وقت قریب ہے'' اس کے بعد میں سلطانپور پروگرام پر چلا گیا۔واپسی پر مجھے سانحۂ رحلت کی اطلاع ہوئی۔اور فوراً میں آخری زیارت کے لئے حاضر ہوگیا۔یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مدرسہ سے علیحدگی کے بعد بھی میں نے **حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ** کے زیر سایہ رہ کر تقریریں کیں۔پہلی مرتبہ جناب بخشی بابر علی صاحب کے دولت کدہ پر اور دوسری مرتبہ لال چوک کے صحن میں ،دونوں جلسوں میں میرے لئے حضرت اقدس نے ستائشی کلمات ارشاد فرمائے۔

مدرسہ سے علیحدگی کے بعد کا وقت میرے لئے سب سے زیادہ صبر آزما اور حوصلہ شکن بھی تھا بچے زیر تعلیم تھے۔کوئی بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لائق نہیں تھا قصبہ سے کافی دور کچھ زمین ضرور باقی رہ گئی تھی لیکن کھیتی باڑی میرے بس کی چیز نہیں تھی اور وہ بھی مبارکپور سے بہت دور، معیشت کے لئے کوئی ہنر بھی نہیں جانتا تھا،لیکن یقین کیجیئے کہ میں اس بارے میں ذرا بھی فکر مند نہیں تھا۔مجھ سے میرے مخلص ترین طلباء اس بارے میں پوچھتے تو میں ان کو جواب دیتا کہ زبان تو جھوٹ بول سکتی ہے لیکن چہرہ نہیں تم لوگ میرا چہرہ دیکھ کر بتاؤ کہ فکر مندی کے آثار ہیں؟ وہ کہتے کہ ہاں! مولانا آپ تو بالکل مطمئن نظر آتے ہیں۔میں انسے کہتا کہ میں موحد ہوں اللہ کی رزاقی پر میرا پورا ایمان ہے وہ کوئی نہ کوئی انتظام ضرور فرمائے گا۔

ہاں میں اس بات سے ضرور فکر مند تھا کہ مادی غذا کا انتظام تو ہو جائے گا لیکن ذہنی اور روحانی پیاس میں کیسے بجھاؤں گا۔کیونکہ مدرسہ اشرفیہ کے کتب خانہ تک اب میری رسائی ممکن نہین تھی اس فکر میں میں مبتلا تھا کہ ایک روز مولانا عبد الرحمن صاحب ابن شیخ الحدیث **مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی** سے ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے آپ بلا تکلف اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔اس طور پر مولانا کے توسط سے شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی (صاحب مرعاۃ المفاتیح) کی خدمت

میں حاضر ہوا مولانا اس وقت موتیابند کے عارضے میں مبتلا تھے اور میں خود بھی اس مرض کا شکار تھا۔ میں جب کسی حدیث کی تخریج کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا تو باوجود پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کے میں نے مولانا کو کبھی ٹیک لگا کر بیٹھتے نہیں دیکھا پہلے تو زبانی ہی سب کچھ مجھ کو بتادیتے اور میں مطمئن ہوجاتا لیکن پھر فرماتے کہ ٹھہریئے اور اٹھ کر خود ایک کتاب نکالتے اس کو پڑھتے اور مجھے سمجھاتے پھر دوسری کتاب کھینچتے اور اس کو پڑھ کر سناتے میں منع کرتارہ جاتا کہ بس کافی ہے اس عمر میں اس درجہ دماغ کی تازگی اور مستحضر علم، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ کوئی اور ایسا نہیں ہوگا لیکن ایسی مثال شاذونادر ہی ملے گی۔ یہ ہے میری سرگذشت حیات کے نشیب وفراز، ارتقاء وانحطاط کی داستان۔

قارئین! یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں فرمالیں کہ کسی بھی شخص کی سرگذشت پیدائش سے لے کر موت تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق ماضی کے دور دراز دور سے ہوا کرتا ہے ماضی میں جو سیاسی، سماجی، علمی اور دینی حالات ہوتے ہیں ان سے اس دور کے لوگ متاثر ہوتے ہیں پھر وہی اثرات نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے ہوئے موجودہ نسل تک پہونچتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمان گھر میں مسلمان، ہندو گھر میں ہندو، بریلوی کے گھر میں بریلوی، دیوبندی کے گھر میں دیوبندی، اہل حدیث کے گھر میں اہل حدیث، شیعہ کے گھر میں شیعہ جنم لیتے ہیں یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ سرگذشت حیات کا تعلق ماضی کے دور سے ہوتا ہے پھر دنیا میں آنے کے بعد ہر شخص مختلف اسباب وعوامل کا اثر قبول کرتا ہے اس لئے ہر شخص کی انفرادی زندگی دوسرے سے مختلف ہوجاتی ہے اب آیئے دیکھتے ہیں کہ ماضی میں حالات کیا تھے۔

مورخ اسلام جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری سرکاری کاغذات کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ بجانب شمال وشرق مسلمانوں کی
بہت بڑی اور قدیم صنعتی، دینی، علمی اور مردم خیز بستی ہے۔ اس کی
بنیاد تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل [illegible]ت راجہ سید شاہ مبارک
مانک پوری (متوفی ۲ شوال ۹۶۵ھ رحمۃ اللہ علیہ) نے

عہد سلطان ہمایوں میں رکھی جو اپنے زمانے کے مشہور چشتی خانوادہ حامدیہ
مانک پور کڑا کے روحانی بزرگ تھے"

پکچھ دور جا کر لکھتے ہیں۔

"کہا جاتا ہے کہ پہلے اس کا نام قاسم آباد تھا جو زوال وانحطاط سے
کافی دوچار ہو چکا تھا بعد میں راجہ مبارک شاہ کے نام سے پھر
آباد ہوا۔ اس نئے نام کے بعد اس مقام نے اہمیت حاصل کرلی"

صفحہ ۳۴ پر بعنوان مذاہب اور فرقے تحریر فرماتے ہیں۔

"قصبہ وسواد قصبہ کے عام مسلمان قدیم زمانے سے
سنی حنفی مسلک پر عامل تھے مگر آخری دور میں دوسرے
مذاہب کو بھی فروغ ہوا اور یہاں کے مسلمان متعدد مسلکوں
کے پیرو ہو گئے سب سے پہلے نوابان اودھ کے زمانے
میں تشیع کا رواج ہوا"

کچھ دور آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"اس دور کے عام سنی بھی ماتم اور مرثیہ میں آگے آگے
رہتے تھے بلکہ آج تک سنیوں کا ایک طبقہ اس میں
پوری دلچسپی رکھتا ہے"

پھر تحریر فرماتے ہیں۔

"۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء قصبہ میں اسمٰعیلی بوہرہ فرقہ کا رواج ہوا جو در
حقیقت شیعوں کی شاخ ہے اسمٰعیلیت کے بعد یہاں مسلک اہلحدیث
کو فروغ ہوا ان سب کے بعد آخر میں دیوبندی مکتب خیال کو فروغ ہوا
دراصل یہ کوئی نیا مسلک نہیں تھا بلکہ حقیقت میں ایک طبقہ کی اصلاحی تحریک
تھی جس کا تعلق رسم و رواج اور اور بدعات کے رد سے تھا فقہی مسائل میں
کوئی اختلاف نہیں تھا البتہ زیادہ تر اختلاف کتاب کی عبارتوں میں رہا اس
مسلک کی ابتداء ۱۳۱۷ھ مدرسہ احیاء العلوم کی بنیاد کے بعد ہوئی"

اس عنوان کے تحت کچھ اور آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

"راجہ سید مبارک شاہ کے مورث اعلیٰ حضرت راجہ حامد شاہ مانک پور
(متوفی ۹۰۱ھ) بزرگان چشت میں پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سلاطین

شرقیہ کے دور میں جون پور آکر اس دیار میں اس سلسلہ کو فروغ دیا ان حضرات سے سلسلہ چشتیہ کو اس دیار میں خوب فروغ ہوا''

آگے چل کر رقم طراز ہیں کہ

''مبارکپور اور اس کے حدود گویا مانک پور کے راجگان چشت کے دیار تھے راجہ مبارک شاہ بانی مبارکپور نے یہاں رہ کر اس سلسلے کے فیوض و برکات عام کئے ان تمام روحانی سلسلوں کے باوجود قصبہ میں مشائخ کچھوچھ کا سلسلہ بیعت وارادت ہر طرف عام تھا اور کہنا چاہئے کہ سب سے زیادہ فروغ اسی کو حاصل تھا مبارکپور اور سکٹھی کے عام سنی مسلمان ان کی عقیدت ومحبت سے سرشار تھے ہمارے بچپن تک ان حضرات کی تشریف آوری کے ایام میں عموماً کاروبار بند کر کے ان کے معتقدین ومریدین ان کی خدمت میں مصروف رہتے تھے''

مؤرخ اسلام مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری کی مستند کتاب تذکرہ علمائے مبارکپور سے جو اقتباسات انہیں کے لفظوں میں نقل کئے گئے ہیں ان سے میرے دماغ میں ایک سوال ابھرا کہ حضرت سید راجہ مبارک شاہ نے قصبہ کو آباد کیا اور راجگان مانک پور نے اپنے روحانی سلسلے کو فروغ دینا چاہا تو قیاس یہی چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ قصبہ مبارکپور میں اسی سلسلے کو پذیرائی ہوتی جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت سید راجہ مبارک شاہ نے یہاں رہ کر اس کے فیوض و برکات عام کئے لیکن خلاف قیاس بزرگان کچھوچھ کے روحانی سلسلے کو جو فروغ حاصل ہوا وہ کسی اور سلسلے کو حاصل نہیں ہوسکا۔

ناظرین! کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قیاس ودرایت کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں لیکن مقدر میں کچھ اور ہوتا ہے بقول غالب:۔

کسے خبر کی وہاں جنبش قلم کیا ہے

یہاں کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے روحانی سلسلے کے فروغ کے لئے سادات کرام کی دوسری شاخ کو اس کے لئے منتخب فرمالیا۔

حضرت **سید راجہ مبارک** شاہ علیہ الرحمۃ کے صدیوں بعد جب خانوادۂ اشرفیہ

کے روحانی بزرگ مجدد سلسلۂ اشرفیہ حضرت سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمہ سجادہ نشیں سرکار کلاں مبارکپور تشریف لائے تو بڑی تیزی کے ساتھ اس سلسلے نے قبول عام حاصل کرلیا جیسا کہ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے تحریر فرمایا اور دوسرے روحانی سلسلے چند برسوں کے بعد تقریباً ناپید ہو گئے۔

حضرت اشرفی میاں صاحب علیہ الرحمہ کی تشریف آوری پر اس وقت کے روح پرور مناظر میں نے خود بھی دیکھے ہیں ایک مرتبہ اس وقت جب حضرت ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے تھے اور بارہا جناب بابر علی بخشی اور ماسٹر آفتاب صاحب کے دولت کدہ پر جہاں حضرت کا ہمیشہ قیام رہا کرتا تھا۔

کچھ دنوں تک تعلیمی سلسلہ مدرسہ اشرفیہ کی پرانی عمارت واقع پرانی بستی میں جاری رہا جب طلباء کی تعداد بڑھ گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ زیادہ وسیع اور مرکزی جگہ پر مدرسہ ہونا چاہیئے حسن اتفاق سے سب سے زیادہ مرکزی مقام پر ہمارا احاطہ تھا جس کو میرے والد شیخ محمد سعید صاحب انصاری مرحوم چچا حافظ محمد رفیع صاحب اور میرے ماموں جناب شیخ محمد امین صاحب انصاری و شیخ محمد عمر صاحب انصاری نے اپنے اپنے حصہ کی زمین دینی تعلیم کے لئے قوم کے نام وقف کر دی اس وقف نامہ کی بھی پختہ نقل جناب مولوی اسرار الحسن انصاری اشرفی کے پاس آج بھی موجود ہے۔ زمین حاصل کرنے کا مرحلہ ختم ہوگیا اب دشوار تر مرحلہ اس کی تعمیر کا پیش آیا اس وقت کے حالات کا نقشہ کن لفظوں میں بیان کروں یہ میرے لئے ممکن نہیں مجھے یہ اچھی طرح یاد ہے کہ چندہ کا قافلہ جب یہاں کے مفلس و نادار نان شبینہ کے محتاج سنی مسلمانوں کے گھروں پر پہونچتا تو اہل خانہ پر ایک دیوانگی سی طاری ہو جاتی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں پھر اپنے گھروں کے موجودہ سارے سامان حتی کہ پرانے برتن بھی حاضر کر دیتے اور عورتیں اپنے جسموں سے زیورات اتار کر مدرسہ پر نچھاور کر دیتیں کیا ان جذبات کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟

قارئین! میرے کچھ جملوں سے منشاء یہ کہ میری پیدائش ایک زمیندار گھرانے میں ہوئی

۔میرے دادااوران کے بھائیوں نے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم واقع پرانی بستی کی عمارت وقف کی اور جدید تعمیر کے لئے مرکزی جگہ پر احاطہ بھی وقف کیا۔بادی النظر میں سمجھا جاسکتا ہے کہ میں اپنے خاندان کی سابقہ حیثیت اور آباواجداد کی داد ودہش پر فخر کرتا ہوں ایسا ہرگز نہیں یہاں میرا انداز فکر دوسروں سے مختلف ہے میں اپنے آباواجداد کے کارناموں کو قابل فخر ہرگز نہیں سمجھتا ہوں۔ہاں!وہ میرے لئے باعث مسرت ضرور ہے کہ اس دور میں انہیں دینی تعلیم کی ضرورت محسوس ہوئی اور جائدادیں اوراحاطے وقف کئے اوراپنے لئے صدقۂ جاریہ کاانتظام کیا۔قابل فخر کارنامے مبارکپور کے ان مخلص ونادار مسلمانوں کے ہیں جن کا ابھی میں نے ذکر کیااب ذرا مقابلہ کیجئے میرے دادا شیخ محمد عبدالوہاب صاحب مرحوم جوقصبہ وبیرون قصبہ ایک وسیع جائداداور مکانات واحاطے کے مالک تھے۔ اوراسی کے ساتھ قصبہ میں ریشم کے سب سے بڑے تاجر بھی تھے یہ بات ذہن نشیں کرلیجئے کہ میرے دادا وغیرہ کے دور میں زمین کی کوئی قیمت نہیں تھی چندسوروپے میں کئی ایکڑ زمین خریدی جاسکتی تھی یعنی زمین کی قدر بہت کم اور روپے کی قدر بہت زیادہ تھی آج کے دور کے برعکس زمین کی قدر بڑھ گئی ہے اور روپے کی قدر بہت کم ہوگئی۔اب اگرایک ایکڑ زمین خریدنی ہوتو لاکھوں روپے کی ضرورت ہوگی ۔اب غور کیجئے کہ ایک شخص جس کے پاس دولت وثروت کی کمی نہیں اور بہت ساری زمینوں کا مالک ہے اگر وہ شخص کوئی مکان یا احاطہ قوم کے نام وقف کرتا ہے تو قابل فخر کیا ہے؟فخر ومباہات کے لائق وہ مبارکپور کے غریب مسلمان ہیں جنہوں نے کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ مدرسہ پر نچھاور کردیا۔یہ ضروری نہیں کہ جس کا حجم ووزن زیادہ ہووہ نسبتاً کم حجم ووزن والی شی سے قدروقیمت میں بھی زیادہ ہو دیکھئے ایک تولہ سونا ہےاور مقابلہ میں ایک کلولوہا ظاہر ہے کہ حجم ووزن میں لوہا بہت زیادہ ہے۔مگر سونا لوہاسے قدروقیمت میں بہت زیادہ ہوگا۔اسی طرح غریبوں کی تھوڑی سی پونجی کے مقابلہ میں ہماری وقف کردہ جائداد حجم ووزن میں بہت زیادہ ہے لیکن قدروقیمت میں اس سے بہت کم جب مدرسہ اشرفیہ کی جدید تعمیر کاوقت آیاتو مبارکپور کے سنی مسلمانوں کا جوفداکارانہ عالم تھاوہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔خصوصیت کے ساتھ وہ روح پرورنظارہ آج تک میرے ذہن میں محفوظ وموجود ہے

۔جب اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا جس کی ترتیب اس طرح تھی پہلے اشرفی میاں رحمہ اللہ علیہ نے بنیاد رکھی ان کے بعد سرپرست حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اور پھر ان کے بعد مربی مدرسہ حضرت مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ نے ان حضرات کے بعد حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ اور دوسرے علمائے کرام نے سنگ بنیاد رکھا۔ پھر اہل مبارکپور میں سب سے پہلے صدر مدرسہ جناب شیخ محمد امین صاحب انصاری اور میں نے اس مقدس کام میں حصہ لیا اس کے بعد مبارکپور کے دوسرے حضرات نے رقت آمیز جذبات کے ساتھ سنگ بنیاد کا فریضہ انجام دیا۔

یہ ہے میری سرگذشت حیات: پہلے ارادہ تو یہی تھا کہ سرگذشت بہت اختصار کے ساتھ پیش کروں لیکن بہتر معلوم ہوا کہ میری سرگذشت میں اشرفیہ کا ماضی وحال بھی تاریخ کی روشنی میں آجائے اس لئے مضمون کچھ طویل ہوگیا جس کے معذرت خواہ ہوں۔

مظفر حسن ظفر ادیبی

مبارکپور، اعظم گڑھ

۲۶/۳/۲۰۰۳

(نوٹ) وقف نامے کی نقل آخری صفحات پر ملاحظہ کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ومن علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ " امابعد:فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم .بسم اللہ الرحمن الرحیم "یاایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذادعاکم لما یحییکم"

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اسکے رسول کی پکار پر لبیک کہو یعنی بطیب خاطر اسے قبول کرلو جب اللہ کا رسول ایسے کام کی طرف بلائے جو تمہارے لئے حیات بخش ہے۔

قارئین !یہاں دواہم باتیں خصوصیت کے ساتھ غور وفکر کی طالب ہیں پہلی بات یہ کہ وہ شئی کیا ہے جو انسان کو حیات نو سے سرفراز کرتی ہے پھر دوسرا اہم ترین امر یہ ہے کہ وہ کون سی زندگی ہے جو انسان کو بارگاہ نبوت سے ملتی ہے آیئے پہلے اس کو سمجھ لیں کہ وہ حیات بخش چیز کیا ہے۔امام ابن جریر طبری تحقیق فرماتے ہیں"بسم اللہ الرحمن الرحیم اِسْتَجِیْبُوا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اذا دَعَاکُمْ لِمَایُحْیِیکُم "عَنِ السُّدِّی قَالَ اَمَّا مَا یُحْیِیکُم فھُوَ الا سْلَام.اَحْیا ھُم بَعْدَ مَوْتِھِمْ بعد کُفرِھِم ''حضرت سدی فرماتے ہیں کہ وہ اسلام ہے۔جس نے لوگوں کو ان کے کفر سے موت کے بعد زندہ کردیا۔وَعَنْ قتَا دَۃ(لِمَا یُحْیِیکُم) قَالَ ھٰذاَ ھُو القرآن فِیہِ الحَیَاۃُ والعِفَّۃُ والعصمۃ فی الدُّنیا و الآخرۃ قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ چیز یہی قرآن ہے اس میں زندگی ہے عفت ہے دنیا میں اور آخرت میں بھی۔وَعَنْ مُجَاھِدِ فی قول

اللہ تعالی (لما یحییکم)قال الحق ۔ابن جریر طبری نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں جامعیت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ کا مقدس رسول تمہیں قرآن کی طرف یا نماز کی طرف یا جہاد فی سبیل اللہ کی طرف بلائے تو بلا تاخیر رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔اس کی تائید میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے"عَنْ اَبِی هُرَیرَۃ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ علیٰ اُبیّ وهُوَیُصَلّی فَدعَاهُ اَی اُبیّ فَالتفت الَیهِ اُبیّ وَلَمْ یَجِبْهُ ثُمَّ اَنَّ اُبیّاَخفّفَ الصَّلٰوۃ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلی النبی ﷺ فقَالَ السلام علیک ای رسول اللہ قَالَ وَعَلَیکَ السَّلَامُ مَا مَنَعَکَ اِذْدَعوْتُکَ اَنْ تُجِیْبَنِی قَالَ یَا رَسُو ل اللہ کنت اُصَلّی قَالَ اَفَلَمْ تَجِد فِیمَا اُوحِیَ اَلیّ استَجیبوا للّٰه وللرسول اذادعاکم لِمَا یُحیِیکُم قَالَ بَلیٰ یَا رَسُول اللہ ﷺ لَا اَعُودُ"(تفسیر ابن جریر طبری سورۃ الانفال) غور کیجئے بندہ نماز جیسی اہم عبادت میں مشغول ہے لیکن رسول کی پکار پر ایک لمحہ کی تاخیر روا نہیں ۔کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرض ہے۔اور رسول کے بلانے پر حاضر ہونا اللہ ہی کا حکم ہے اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ آپ نے ابی کو کس لئے بلایا تھا کسی اور حدیث میں بھی قرآن ،اسلام کی مخصوص چیز کا ذکر نہیں ہے تو لازماً یہی سمجھا جائے گا کہ رسول کی پکار پر فوراً حاضر ہونا ضروری ہے۔اس لئے امام جریر نے مجاہد کے قول کو اختیار کیا ہے اس میں جامعیت ہے۔

سنن دارمی کی مستند حدیث سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول میں سے کسی کے پاس مجھ سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث نہیں ہیں۔لیکن وہ جو عبداللہ بن عمر سے مروی ہیں کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن ماہک حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو کچھ میں رسول اللہ ﷺ سے سنتا اسے لکھ لیتا اس سے میرا ارادہ یہ تھا کہ احادیث رسول یاد کرلوں۔

عن یوسف بن ماھک عن عبد اللہ بن عمر وقَالَ کُنتُ اَکْتُبُ

كُلَّ شئٍ اَسْمَعُهُ مِنْ رَسُول الله ﷺ اُرِيدُ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِى قُرَيْشٌ. وقالوا تَكْتُبُ كُلَّ شئٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُول الله ﷺ ورسول الله ﷺ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِى الْغَضَبِ وَالرِّضَاءِ. فَامْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُول الله ﷺ فَأَوْمَأَ بِاصْبعه الى فيه وَقَال اُكْتُبْ فوالذى نفسى بيده مَا خَرَجَ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ. (باب من رخص فى كتابة العلم سنن دارمی ج ۱ ص ۱۲۶ ط). حضرت یوسف بن ماہک حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا اسے لکھ لیتا اس سے میرا ارادہ احادیث رسول ﷺ کو یاد کر لینا تھا پھر قریش نے مجھے اس سے روک دیا اور کہا کہ تم ہر شی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل ایک بشر ہیں وہ غضب اور رضا دونوں حالتوں میں بولتے ہیں تو میں لکھنے سے رک گیا پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنی انگلی سے اپنے دہن مبارک کیطرف اشارہ فرمایا اور ارشاد ہوا۔ اُكْتُبْ یعنی لکھو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس دہن پاک سے حق کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلا اور نہ ہی نکلے گا ۔اُكْتُبْ (لکھو) اس کی واضح دلیل ہے کہ آئندہ بھی کبھی حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلے گی۔

خلاصة :۔ جو لوگ حدیث رسول کے حجت ہونے سے انکار کرتے ہیں انہیں منصب رسالت کی کچھ آگاہی ہے اور نہ قرآن عظیم کا صحیح مطالعہ قرآن ہی کا تو ارشاد ہے" ما اتا کم الرسول فخذوه وما نہا کم عنه فانتہوا " اللہ کا رسول جو دے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے باز رہو۔

میں نے خطبہ میں جو آیت کریمہ تحریر کی ہے اسے غور سے پڑھئے ارشاد ربانی ہے "لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة" "اللہ تبارک وتعالی نے مؤمنین پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر آیات الہیہ کی تلاوت فرماتا ہے اور ان کا تزکیہ

نفس فرماتا ہے یعنی انہیں اخلاق حمیدہ سے آراستہ کرتا ہے اوران کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ کیا رسول کا منصب صرف یہی ہے کہ وہ قرآن شریف کی تلاوت کرے اور بس؟ پھر ویُزَکّیھِم کا مطلب کیا ہوا اوراس پر تو غور کیجئے ویعلمهم الکتاب والحکمة وہ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اہل لسان صحابہ کرام جو قرآن پاک کے اولین مخاطب ہیں وہ تو اس بات کے محتاج تھے کہ رسول انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ اور آج کا انسان تعلیم رسول سے بے نیاز ہو گیا اسے عقل قبول کرسکتی ہے؟ ہرگز نہیں جسے منصب رسالت سے آگاہی ہو جائے وہ قرآن اور احادیث صحیحہ کے درمیان حجت ہونے کی حیثیت سے ہرگز تفریق نہیں کرسکتا۔ صحیح حدیث ہے۔ (اُوتیتُ القُرآن وَمِثلَہٗ) مجھے قرآن عظیم دیا گیا اوراسی کے ساتھ اسی کے مثل اور۔ یاد رکھئے دینی شرائع کے بارے میں رسول نے جو کچھ ارشاد فرمایا ان میں کوئی بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ وحی الٰہی کی روشنی میں فرمایا ہے۔ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الھَویٰ اِن ھُوَ اِلّا وَحیٌ یُوحیٰ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے رسول اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتا وہ یعنی ارشاد رسول وحی ہے جو اس کی طرف کی گئی ہے۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے جسے وحی جلی اور وحی متلو کہتے ہیں وہ قرآن ہے دوسری قسم کو وحی خفی اور وحی غیر متلو کہا جاتا ہے وہ احادیث صحیحہ ہیں جس کی قرآن کی طرح تلاوت نہیں کی جاتی۔ غور کیجئے کیا احادیث صحیحہ سے ثابت احکام الٰہی کا انکار وحی الٰہی کا انکار نہیں ہوا؟ مَا آتاکُمُ الرَّسولُ فَخُذُوہ وَمَا نَھاکُم عَنه فَانتَھوا۔ رسول جو دے اسے لے لو اور جس چیز سے روکے اس چیز سے باز رہو۔ کیا اللہ تعالیٰ کے اس صریح حکم کی نافرمانی نہیں ہوئی؟ **العیاذ باللہ۔**

محترم قارئین! اب جب کہ واضح ہو گیا کہ حیات بخش چیز کیا ہے تو آیئے اس کو سمجھ لیں کہ وہ زندگی جو انسان کو بارگاہ رسالت سے ملتی ہے وہ کیا ہے؟

ناظرین! زندگی کا ایک معنیٰ جسے سب سمجھتے ہیں "یعنی روح کا جسم سے متعلق ہو جانا ظاہر ہے کہ زندگی کا یہ معنیٰ یہاں پر ممکن نہیں کیوں کہ خطاب زندوں ہی سے ہے اور یہ زندگی بچہ شکم مادر سے

لے کر دنیا میں قدم رکھتا ہے اس کو کسی پیغام سے کوئی تعلق نہیں۔ زندگی کا ایک مفہوم اور بھی ہے اور یہ زندگی کا اور زیادہ وسیع مفہوم ہے۔ وہ صرف حیوانات وبہائم تک محدود نہیں بلکہ جمادات، نباتات، حیوانات سب کو شامل ہے۔ یاد رکھئے قدرت نے ہر شی میں ایک درجۂ کمال رکھا ہے۔ کوئی شی جب تک اپنے درجۂ کمال پر فائز رہتی ہے یا درجۂ کمال تک پہونچنے کی اس میں صلاحیت رہتی ہے تو وہ شی زندہ کہلاتی ہے۔ اور جو صلاحیت سے دور ہو جاتی ہے وہ مردہ کہلاتی ہے کائنات کا سب سے نچلا درجہ جمادات کا ہے دیکھئے زمین میں جب تک روئیدگی ہے کھیتیاں لہلہا رہی ہیں پودے اگ رہے ہیں۔ پھول کھل رہے ہیں، غنچے چٹک رہے ہیں تو اس زمین کو زندہ کہا جاتا ہے اور اگر کھیت میں پودے اگے ہوئے تو نہیں ہیں لیکن زمین میں صلاحیت روئیدگی موجود ہے اگر تخم ریزی کی جائے بیج ڈالے جائیں تو پودے اگ آئیں گے تو اس زمین کو زندہ کہا جائے گا۔ اور اگر طویل عرصہ تک بارش نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی اور ذریعہ سے اس کو سیراب کیا گیا زمین پورے طور پر بنجر ہوگئی اس میں روئیدگی کی کوئی صلاحیت نہیں رہی تو اب وہ زندہ نہیں مردہ ہوگئی۔ قرآن عظیم نے دونوں حالتوں کو موت وحیات سے تعبیر کیا ہے اس کی قدرت وحکمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کا ذکر فرماتا ہے "وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا آسمان سے پانی برساتا ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھتی ہے۔ دوسری معرفت حق کی نشانیوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے "وَمَا أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مِن رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا " اور اس رزق میں سے جسے آسمان برساتا ہے اور زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے، جمادات میں موت وحیات کا تذکرہ تھا۔ جمادات سے اوپر نباتات کا درجہ ہے موت وزیست کی یہی دونوں حالتیں اس میں بھی پائی جاتی ہیں۔ درخت میں جب تک بالیدگی ہے شاخوں میں لچک ہے، پھول کھل رہے ہیں، غنچے چٹک رہے ہیں تو وہ درخت زندہ ہے۔ اور جب درخت میں بالیدگی ہو اور نہ شاخوں میں لچک ہو تو اب وہ درخت زندہ نہیں مردہ کہلائے گا۔

نباتات سے اوپر حیوانات کی منزل ہے غور کیجئے اس میں بھی موت وحیات کی دونوں

حالتیں پائی جاتی ہیں۔شیر کی نوعی خصوصیت اس کی تیزی وچستی، بصالت وجسارت ہے جب تک وہ اپنا شکار خود کرتا ہے دوسرے جانور گیدڑ، لومڑی وغیرہ اس کی پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور اس کے بچے ہوئے شکار سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں تو شیر کی شیرانہ زندگی باقی ہے۔اور شیر کاہل اور سست پڑ گیا ہو اور خود لومڑی کے پیچھے چلتا ہو کہ اس کی پس خوردہ سے کچھ کھالے تو شیر اپنے نوعی درجۂ کمال سے گر گیا۔وہ چلتا پھرتا تو ہے لیکن بحیثیت شیر کے اب وہ زندہ نہیں، چڑیوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔شاہین کی نوعی خصوصیت فضاؤں میں اپنے شکار پر جھپٹنا، پلٹنا اور اپنے شکار کو دبوچ لینا ہے۔اب اگر گدھوں میں رہ کر زمین میں نگاہیں دوڑاتا رہے کہ اسے کہیں کوئی مردہ پڑا ہوا ملے تو اس سے اپنی بھوک مٹائے تو یقین کیجئے کہ وہ اپنے نوعی درجۂ کمال سے گر چکا ہے۔بحیثیت شاہین کے وہ زندہ نہیں مردہ ہے۔ بقول علامہ اقبال

وہ فریب خوردہ شاہین کہ پلا ہے کرگسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ ورسم شاہ بازی

ان مثالوں سے میں یہ حقیقت واضح کر رہا تھا کہ جب کوئی شئے اپنے درجۂ کمال سے محروم ہو جاتی ہے تو زندہ نہیں مردہ ہو جاتی ہے۔قرآن نے زمین کی انہیں دونوں کیفیت کو موت وحیات سے تعبیر کیا ہے۔

آیئے اب اس پر غور کریں کہ روئے زمین پر بسنے والی مخلوقات میں سب سے افضل وبرتر مخلوق، انسان کو تمام دوسری مخلوقات کے درمیان جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ کیا ہے؟ اور دیکھیں کہ اس کا درجۂ کمال کیا ہے ظاہر ہے کہ انسان کو اپنی جسامت یا حواس خمسہ میں دوسروں سے کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔جو چیز انسان کو تمام مخلوقات کے درمیان ممتاز کرتی ہے وہ عقل ہے۔اسی کے سہارے وہ شیر، چیتے، ہاتھی، گینڈے کو اپنا مطیع بناتا ہے۔دریاؤں کا رخ موڑتا ہے۔خلاؤں میں پرواز کر رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے اللہ تبارک وتعالی نے عقل کی تخلیق فرمائی ہے اگر وہ اس کے مطابق چل رہی ہے تو انسان بحیثیت انسان زندہ ہے اور اگر عقل اپنے مقصد تخلیق کے خلاف سرگرم عمل ہے تو انسان اپنے درجۂ کمال سے گر گیا۔اب اس کی زندگی حیوانی زندگی ہے وہ انسانی زندگی سے محروم

ہو چکا ہے۔

محترم ناظرین! یہ سمجھنے سے پہلے کہ انسانی عقل صحیح راہ پر گامزن ہے یا نہیں ضروری ہیکہ پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ انسان کیا ہے؟ انسان ہر مخلوق سے زیادہ پیچیدہ مخلوق ہے اللہ تعالی نے فرشتوں کو پیدا کیا ہے ان میں صرف روحانیت ہی روحانیت ہے۔ مادیت کا شائبہ تک نہیں۔ حیوانات وبہائم میں صرف مادیت ہی مادیت ہے روحانیت سے وہ قطعاً عاری ہیں اور ان دونوں کے درمیان انسان ہے اس میں مادیت بھی ہے اور روحانیت وملکوتیت بھی۔ اور دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ کھانا، پینا، شہوت، حرص وطمع دوسروں پر غالب آنے کا جذبہ وغیرہ افعال بہیمیت کے تقاضے ہیں۔ غور وفکر، علم ومعرفت، حسن واخلاق، صبر وشکر، ایثار وقربانی، عیادت وعبادت یہ ملکوتیت کے تقاضے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بہیمی جذبات کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں'' کہ انسانی عقل کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے فرمائی ہے کہ وہ بہیمانہ جذبات پر قابو رکھ کر انہیں اپنا مطیع وفرمانبردار بنائے'' انسانی فلاح وبہبود اور اس کی روحانی کامیابی اسی طور پر ممکن ہے اور عقل کا منصب یہی ہے۔ اگر وہ اپنے منصب پر فائز ہے تو سمجھ لیجئے کہ انسان زندہ ہے اور اگر اس کے برعکس انسانی عقل بہیمانہ جذبات کے تابع ہو جائے تو اب وہ بحیثیت انسان کے زندہ نہیں رہا کیونکہ وہ اپنے درجۂ کمال سے گر چکا ہے۔ یہ ہے انسان اور انسانی زندگی کا صحیح تصور۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ انسان نے جب بھی اپنی فلاح وبہبود اور کامیابی وفیروزمندی کے لئے راستہ اختیار کرنا چاہا تو کبھی بھی اپنی خواہشات اور اپنے جذبات کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکا اس کا نتیجہ رہبانیت، ترک لذات کا غیر فطری نظریۂ حیات ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً دو سو سال بعد رہبانیت کا نظریہ وجود میں آیا اس کے علمبرداروں نے کہا کہ انسان حقیقت میں فرشتہ ہے مادی خواہشات، جنسی تعلقات یہ سب انسان کے لئے عذاب ہے نجات کی راہ صرف یہی ہے کہ ان سب سے انسان کنارہ کش ہو جائے۔ ازدواجی زندگی سے دور رہے۔ بیوی، بچوں، ماں، باپ کی محبت بھی دل سے نکال دے۔ یہی ایک شکل ہے جس سے انسان مادی خواہشات سے نجات حاصل کر سکتا ہے اور اللہ تعالی کے پیار

کا مستحق ہوسکتا ہے۔اس غیر فطری نظریہ حیات نے کیسے کیسے مظالم ڈھائے ہیں ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔یہاں میں صرف ایک واقعہ کا ذکر کررہا ہوں۔مصر میں ایک نوجوان شخص نے رہبانیت اختیار کرلی اور ماں باپ ،بہن بھائی سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر ایک خانقاہ میں پہونچ گیا۔کچھ دنوں کے بعد اس کی ماں اپنی مامتا سے مجبور ہوکر خانقاہ کے دروازے پر پہونچ گئی اور رورو کر التجا کرنے لگی بیٹے گھر واپس نہیں آتے نہ سہی۔بس اپنی ماں کو اپنا چہرہ دکھادو۔بیٹے نے دروازہ کھولا نہیں اندر سے جواب دیتا ہے کہ ماں اب قیامت میں ملاقات ہوگی ماں دروازہ پر بیٹھی رہی سردیوں کا زمانہ تھا صبح کو بیٹے نے دروازہ کھولا تو ماں کی لاش اس پادری کے قدموں سے ٹکرائی۔

یہ ہے رہبانیت کی ستم ظریفی''لا رهبانية في الاسلام''(اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں)اسلام کہتا ہے کہ جنت ماں کو ٹھکرانے میں نہیں اس کے قدموں سے لپٹنے میں ہے ۔''انَّ الجَنَّةَ تَحْتَ اَقْدَامِ الاُمَّهات''ماؤں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ایک صحابی رسول جہاد کی اجازت طلب کررہے ہیں اللہ کے رسول ﷺ دریافت فرماتے ہیں گھر میں کون ہے ؟عرض کرتے ہیں ماں ارشاد ہوا''فالزِمْها فاِنَّ الجنَّةَ تحتَ رِجْلَيها''تم اپنی ماں سے وابستہ رہو جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔

مسیحی عابدوں اور راہبوں نے جو نظریہ حیات دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ صرف ان کے جذبات کا آئینہ دار تھا اس کا انسان کی ذات اور اس کی حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں تھا،خیر وہ عقل انسانی کی طفولیت کا دور تھا جیسا کہ کہا جارہا ہے آج جبکہ عقل اپنے نقطۂ عروج پر ہے روز بروز نئے نئے انکشافات سے دنیا حیرت زدہ ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی

(مولانا حسرت موہانی)

ان تمام عقلی جولانیوں اور سائنسی دریافتوں کے باوجود یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ انسان نے خود کو بھی

سمجھ لیا ہے کہ وہ کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں جدید دور کے ایک ایسے مفکر کا قول نقل کر رہا ہوں جس نے انسان کی ذات اور اس کی زندگی کا سب سے زیادہ گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ فرانس کا مشہور مفکر نوبل انعام یافتہ کارل اپنی مشہور کتاب ''نامعلوم انسان'' میں لکھتا ہے اگر چہ ہمارے پاس علمائے سائنس وفلاسفہ کی فراہم کردہ معلومات کا بہت ذخیرہ جمع ہو گیا ہے تاہم انسان اپنی ذات کے چند پہلوؤں کو ہی اپنی گرفت میں لا سکا ہے۔ پوری طرح نہیں سمجھ سکا کہ انسان کیا ہے؟ چند پراگندہ اجزاء کے مجموعے کو سمجھ لیا ہے کہ یہی انسان کی حقیقت ہے حالانکہ وہ اجزا بھی خود ساختہ ہیں ''اس کھلے ہوئے اعتراف کے بعد چاہیئے تھا کہ مغرب از سر نو اپنے افکار ونظریات کا جائزہ لیتا اور حقیقت تک پہونچنے کی کوشش کرتا۔ لیکن دنیا طلبی کے جنون میں اس درجہ مبتلا ہو چکا ہے کہ کچھ اور سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا۔ اسے فخر ہے کہ ہم نے انسان کو کلیسا کی غلامی سے نجات دلا دی۔ انسان اب پورے طور پر آزاد ہے ترقی کے راستے سے تمام روکاوٹیں دور کر دی گئی ہیں۔ اب انسان عروج وارتقاء کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ قدم بڑھا سکے گا جبر واستبداد سے نجات پانے کے بعد اب دنیا امن وسکون کی زندگی گزار سکے گی یہ ہے مغرب کا وہ خواب جو ہمیشہ تشنۂ تعبیر رہے گا۔

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے سودائے خام وائے سودائے خام

(علامہ اقبال)

مغربی مفکرین کا دعویٰ تو یہی ہے مگر دنیا دیکھ کیا رہی ہے؟ ایک طرف اگر دولت وثروت کا انبار لگ رہا ہے تو دوسری طرف بھوکے، پیاسے، مفلس ونادار انسانوں کی تعداد میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ مزدوروں کا استحصال زیادہ بھیانک شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ایک طاقتور اپنے سے کمزور پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اور دنیا دم بخود ہے ظالم کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں اسی کے ساتھ معاشرتی فساد کا یہ عالم ہیکہ شرم وحیا عفت وعصمت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ مذہب کی تمام اخلاقی قدریں پامال ہو چکی ہیں۔ علامہ شفیق جونپوری کا ایک شعر یاد آ رہا ہے

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے

روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور مجھے

بیشک کلیسا کا ظلم بڑا ہی بھیانک تھا۔ کیسے کیسے دانشور، فلاسفہ اس کی بھینٹ چڑھ گئے لیکن کلیسا کے پاس قتل وغارت گری، بربریت وسفاکی کے وہ وسائل نہیں تھے جو آج کہ متمدن دنیا کے پاس ہیں۔

محترم قارئین! اگر آپ جمہوریت وآزادی کے علمبرداروں کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مغرب نے اگرچہ کلیسا کی غلامی سے آزادی حاصل کرلی لیکن وہ اپنے وجود میں چھپی ہوئی بہیمیت ودرندگی کا پورے طور پر اسیر ہو چکا ہے۔ اب عقل خود بہیمانہ جذبات کے تابع ہو چکی ہے۔ بہیمیت حکم کرتی ہیکہ ایسا معاشی نظام تیار کرو کہ عام انسانون کی دولت سرمایہ داروں کی تجوریوں میں آجائے لوگ بھوکے مر رہے ہیں مرنے دو، درندگی کے حکم پر عقل ہلاکت خیز اسلحہ تیار کر رہی ہے۔ عقل کا خلقی منصب تو یہ تھا کہ بہیمانہ جذبات کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنائے نہ یہ کہ خود جذبات کے تابع ہو جائے۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ انسان کی یہ کوتاہ نظری تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے کہ اس نے اپنی ذات کے ایک جزو کو دیکھا اور سمجھ لیا کہ بس کل انسان یہی ہے۔ مسیحی عبادت گزاروں نے صرف ملکوتی جزو کو مکمل انسان سمجھا اور ایک غیر فطری نظریہ حیات پیش کردیا اور آج مغرب کے دانشوروں نے صرف بہیمی پہلو کو دیکھا اور سمجھ لیا کہ انسان میں بہیمت ومادیت کے سوا کچھ نہیں، جس طرح رہبانیت نے مادی تقاضے کو پامال کرنا چاہا اور نتیجۂ خود تباہ ہوگئی کیونکہ فطرت کے ساتھ جنگ میں انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا ٹھیک اسی طرح مذہب بیزار مغرب کا طرز عمل ہے۔ مغربی دانشوروں نے سمجھا کہ اگر انسان فکر معاش سے نجات پا جائے اگر اس کے پاس ہر قسم کا سامان تعیش موجود ہو تو پھر اسے پورے طور پر سکون میسر آسکتا ہے۔ افسوس! کس درجہ فریب خوردہ ہے مغرب! انسان کو چند مادی عناصر کا مجموعۂ مرکب سمجھ لینے سے انسان کی حقیقت بدل نہیں سکتی، انسان میں مادیت کے علاوہ روحانیت وملکوتیت بھی ہے۔ روحانیت وملکوتیت کے بھی تقاضے ہیں جب تک انہیں بھی پورا نہ کیا جائے انسان کبھی

بھی آسودگی حیات سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا آخر امریکہ میں خودکشی کا بڑھتا ہوا رجحان کس چیز کا غماز ہے ۔ایک بہت بڑا سرمایہ دار صبح کو اپنے بستر پر مردہ حالت میں پایا جاتا ہے تکیئے کے نیچے ایک پرزہ رکھا ہے اس میں تحریر ہے''میں نے اپنی زندگی میں اتنی دولت کمائی کہ مجھے خود اس کا اندازہ نہیں، عیش وآرام کے سروسامان سے میرا گھر بھرا ہوا ہے لیکن ان سب کے باوجود کوئی اندرونی کرب ہے جو مجھے چین نہیں لینے دیتا''یقین کیجئے جو انجام رہبانیت کا ہوا اس سے کہیں زیادہ دردناک انجام روحانیت سے عاری تہذیب جدید کا ہونے والا ہے۔علامہ اقبال نے بہت پہلے کہا تھا:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

کوئی بھی نظام حیات جو غیر فطری اصولوں پر مبنی ہو اس سے قلب وروح کو آسودگی میسر آسکتی ہے نہ خود اسے استواری نصیب ہو سکتی ہے، اس کی تباہی یقینی ہے، یورپ کا یہ دعویٰ کتنا مضحکہ خیز ہے کہ ہم نے مذہب کے تمام اوہام کو شکست دیدی ہے، اسے خبر نہیں کہ وہ خود سب سے بڑے وہم کی گرفت میں آچکا ہے۔عقل وہم کو کبھی شکست نہیں دے سکتی۔فرانس کا مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر لیبان اپنی کتاب''روح الاجتماع''میں لکھتا ہے کہ''جو لوگ سمجھتے ہیں کہ عقل نے وہم کو شکست دے دی وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں''فلسفے کی اصطلاح میں وہم کو سلطان اسی لئے کہتے ہیں کہ وہم عقل پر ہمیشہ غالب آجاتا ہے۔مجھے یاد پڑتا ہے کہ میبذی کے حاشیہ پر ایک بڑی ہی بدیہی مثال پیش کی گئی ہے ۔ایک کمرے میں مردہ انسان کا لاشہ پڑا ہوا ہے اس کے ساتھ کوئی بھی تنہا سونے کے لئے تیار نہیں ہوگا عقل کہتی ہے یہ ایک جامد لاشہ ہے کچھ سن سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ ذرہ برابر جنبش کر سکتا ہے، اس سے خوف زدہ کیوں ہوتے ہو لیکن وہم ڈراتا ہے اور آدمی ڈر کر کمرے سے باہر آجاتا ہے یہ عقل کی وہم کے مقابلہ میں شکست ہے۔عقل صرف وہم کے مقابلہ میں ہی شکست سے دوچار نہیں ہوتی بلکہ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، عقل جبھی جذبات سے جب بھی متصادم ہوئی ہے عموماً شکست عقل ہی کو ہوئی ہے اس کے بارے میں صاحب ایمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔۔روز مرہ کا مشاہدہ ہے لوگ کاروبار

میں مشغول ہوتے ہیں یا کھیل کود میں دلچسپی لے رہے ہوتے ہیں اور ٹھیک اسی وقت مسجد سے صدا بلند ہوتی ہے ''اللہ اکبر، اللہ اکبر، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح'' لیکن کتنے لوگ اپنے مرغوب مشاغل سے دست کش ہوکر نماز کی طرف چل پڑتے ہیں؟ کچھ ایسے نیک بخت ہوتے ہیں جو دنیاوی نفع چھوڑ کر عقبی کے نفع عظیم کے لئے مسجد میں حاضر ہوتے ہیں، جو لوگ نماز میں شریک نہیں ہوتے وہ زندہ تو ہیں لیکن ان کے قلوب صحتمند نہیں بیمار ہیں۔ دوسری مثال: ایک شخص ٹرین میں سفر کر رہا ہے مسافر کا نوٹوں سے بھرا ہوا بیگ اس کے سامنے ہے عقل کہتی ہے یہ دوسرے کا مال ہے تمہارے لئے قطعاً جائز نہیں کہ اس پر ہاتھ ڈالو مگر بہیمیت کا جذبہ ورغلاتا ہے کوئی دیکھ نہیں رہا ہے رکھ لو، پھر اتنی دولت کہاں ملے گی اگر وہ شخص نوٹوں کو اپنے قبضے میں کر لیتا ہے تو یہ عقل کی شکست ہے ایسا شخص قلب وروح کا مریض ہے اور اگر وہ شخص اللہ سے ڈر کر پرائے مال پر ہاتھ نہیں ڈالتا اور بہیمانہ جذبات کو شکست دیدیتا ہے تو اس کا دل تندرست وصحتمند ہے۔ تیسری مثال پر غور کیجئے: ایک نوجوان شخص کے لئے سب سے زیادہ آزمائش کا وقت وہ ہوتا ہے جب کسی خوبصورت عورت کی طرف سے دعوت گناہ ہو تنہائی ہو دور دور تک کوئی اور نہ ہو تو ایسے حال میں اپنے نفس پر قابو رکھنا آسان نہیں۔ اکبرالہٰ آبادی مرحوم کا ایک شعر ہے۔

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

اگر اس حال میں کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کے خوف سے اپنے نفس کو روک لیتا ہے تو یقیناً اس کا قلب صرف زندہ ہی نہیں بلکہ پورے طور پر صحتمند بھی ہے۔ اور ایسے پاکیزہ نفس کیلئے بڑی بشارت ہے صحیح حدیث ہے ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قیامت کے دن آفتاب کی تمازت سے بچنے کے لئے کوئی سایہ نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو عرش کے سایہ رحمت کے نیچے پناہ دیگا ان میں ایک شخص وہ ہوگا جسے کسی خوبصورت عورت نے گناہ کی دعوت دی اور وہ یہ کہہ کر دور ہٹ گیا (انی اخاف اللہ) میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (خلاصہ حدیث) مکاشفۃ القلوب میں ایک بڑی ہی سبق آموز حکایت ہے مصنف لکھتے ہیں ''کسی قبیلے میں ایک نوجوان خوبصورت لڑکی تھی یہ غریب گھرانہ کی تھی اس کا چچازاد بھائی دولت مند گھر کا چشم وچراغ تھا یہ اپنی چچازاد بہن پر دل وجان سے فریفتہ تھا، چچازاد بہن کا

خاندان عسرت وتنگدستی سے مجبور ہو کر تلاش معاش میں گھر سے نکل پڑا لڑکی کا چچازاد بھائی قافلے کے ساتھ روانہ ہوا اس نے خیال کیا کہ اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کا یہ اچھا موقع ہے بھوک پیاس سے خستہ حال لڑکی اب مزاحمت نہ کر سکے گی چنانچہ ایک روز موقع پا کر اس نے کہا میں تم لوگوں کی پریشانیاں دور کر سکتا ہوں اگر تم تیار ہو جاؤ، لڑکی نے کہا ٹھیک ہے پہلے دیکھ لو کوئی جاگ تو نہیں رہا ہے اس نے ہر خیمے کا چکر لگایا اور کہا سب غفلت کی نیند سو رہے ہیں کوئی بھی بیدار نہیں ہے، اب گناہ عظیم اور ان دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہ گیا تھا، نوجوان جب بالکل قریب ہوا تو لڑکی نے پوچھا سب سو رہے ہیں ؟اس نے کہا ہاں، لڑکی سوال کرتی ہے وہ ہمارا خالق ومالک پروردگار مالک یوم جزا بھی؟ اس کے بارے میں کیا کہتے ہو اس کی شان تو یہ ہے (لا تاخذہ سنة و لا نوم) اس کو نہ کبھی اونگھ آتی ہے نہ کبھی نیند۔ یہ سنتے ہی نوجوان کانپ اٹھا اور اس کی زبان پر جاری ہو گیا استغفر الله ربی من کل ذنب و اتوب الیہ ایسے وقت میں گناہ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ صرف اللہ کا خوف اور آخرت پر غیر متزلزل ایمان ہے۔ اس کا اعتراف یورپ کے کئی اعلیٰ مفکرین نے کیا ہے۔

قارئین کرام! جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے فرانس کا یہی مایہ ناز مفکر اپنی کتاب [نامعلوم انسان] میں لکھتا ہے۔ ”اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ کتابوں کے باوجود روز بروز بے عقلی بڑھتی جارہی ہے، جدید تعلیم نے انسان کو تمام اخلاقی بندشوں سے آزاد کر دیا ہے۔ ہر جائز وناجائز راہ سے ان کے اندر زر طلبی کی آگ بھڑکا دی ہے، اس کا علاج صرف مذہب ہے، مذہب ہی انسان کو آخرت کی طرف متوجہ کر سکتا ہے اور وہ مادی ترغیبات سے بلند ہو سکتا ہے“

قارئین! یہ کھلی حقیقت ہے کہ انسان کے اندر زر طلبی کی ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی چاہے وہ دولت کتنی ہی جمع کیوں نہ کرلے۔ ایک صحیح حدیث ہے، پیغمبر اسلام روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ’لَوکَانَ لِابنِ آدَمَ وَادِیانِ مِنَ المَالِ لابتَغیٰ وَادِیاَثَالِثاً‘ اگر کسی انسان کے پاس دو وادی بھر کے بھی مال جمع ہو جائے تو وہ تیسری وادی کی تلاش کریگا۔ دنیا کی حرص وہوس سے نجات کیسے مل سکتی ہے آپ نے اس کا بڑا ہی مؤثر نفسیاتی علاج بتایا ہے۔ ارشاد ہے "اِذَا نَظَرَ اَحَدِکُم اِلیٰ مَن

فُضِّلَ فِی المَالِ فلیَنظُر اِلیٰ مَن ھُوَ اَسفَل مِنہ" تم میں سے جب کوئی اپنے سے زیادہ مالدار کو دیکھے تو چاہیئے کہ اپنے سے کمتر کو بھی دیکھ لے۔ یعنی اپنے سے زیادہ غریب کو بھی دیکھ لے۔ اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جب تک میں نے یہ حدیث نہیں سنی تھی تو مالداروں کیساتھ میرا افاضل وقت گزرتا تھا، میں ان کے خوبصورت مکانات اور اچھی سواریاں دیکھتا تو دل مسوس کر رہ جاتا کہ افسوس میں ان نعمتوں سے محروم ہوں، کاش یہ مجھے بھی میسر آ جائیں، لیکن جب سے میں نے یہ حدیث رسول سنی ہے تو اب میرا افاضل وقت غریبوں کے ساتھ گزرتا ہے اور خدا سے یہی دعا کرتا ہوں کہ مجھے کچھ مل جائے تاکہ ان غریبوں کی مدد کرسکوں۔ آپ نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا نفسیاتی علاج بتایا ہے، یہی وہ طریقہ ہے جس سے حرص دنیا کے بجائے انسان میں صبر وشکر قناعت وایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے اور یہی انسانیت کی روح ہے۔ اس کی تمثیل میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ بوستاں میں اپنی ایک حکایت بیان فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ میں پیدل سفر میں تھا میرے دونوں جوتے ٹوٹ گئے تھے جب دمشق میں داخل ہوا تو لوگوں کو سواریوں پر جاتے دیکھا، خیال ہوا خداوندا میں کتنا بدنصیب ہوں یہ لوگ اچھی اچھی سواریوں پر چل رہے ہیں اور میں جوتے سے بھی محروم ہوں ،اس خیال کا آنا ہی تھا کہ میری نظر دمشق کی مسجد پر پڑی وہاں میں نے ایسے شخص کو دیکھا جس کے دونوں پیر کٹے ہوئے تھے، یہ منظر دیکھتے ہی دل میں جذبۂ تشکر پیدا ہوگیا، پروردگار تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں صرف جوتوں سے محروم ہوں یہ بیچارہ تو اپنے دونوں پاؤں ہی سے محروم ہے۔

محترم قارئین! میں یہ بتا رہا تھا کہ کوئی چیز خلوت وجلوت دونوں میں انسان کو گناہ سے بچا سکتی ہے تو وہ صرف خدا اور آخرت پر کامل درجہ کا ایمان وایقان ہے۔ اگر انسان کا تصور حیات یہ ہو کہ زندگی جو کچھ ہے وہ بس یہی دنیا کہ چندروزہ زندگی ہے اس کے بعد نہ کوئی دوسرا عالم ہے نہ اپنے اعمال وکردار کیلئے کسی کے سامنے جوابدہ ہونا ہے، تو ظاہر ہے موقع ملنے پر کسی گناہ عظیم کے ارتکاب سے باز رہیگا نہ کمزوروں پر ظلم واستبداد سے دریغ کریگا۔

علم جدید کی غیر معمولی ترقیوں سے کون انکار کرسکتا ہے؟ لیکن تمام ترترقیوں کے باوجود

مرحلۂ حیات میں وہ آج اسی منزل میں ہے جہاں دور جاہلیت میں عرب کے مشرکین تھے۔ مشرکین عرب کا نظریۂ حیات ،قرآن شریف نے بیان کیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے سامنے عقیدۂ آخرت پیش فرمایا تو وہ حیرت سے کہنے لگے "اَاِذا مِتنا کُنّا تُراباً وّعظاماً أاِنا لَمبعُوثُونَ و آباؤُناالاوّلُون" وہ کہنے لگے کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو جائیں گے تو کیا پھر ہمیں دوبارہ اٹھایا جائیگا اور کیا ہمارے آباؤ اجداد جو پہلے گزر گئے ہیں انھیں بھی دوبارہ زندہ کیا جائیگا۔ زندگی کے بارے میں ان کا تصور ٹھیک وہی تھا جو دور جدید کے ملاحدہ کا ہے وہ کہتے ہیں "ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین" ہماری زندگی بس یہی دنیاوی زندگی ہے اس میں، ہم مرتے اور جیتے ہیں دوبارہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے ،آج مذہب بیزار فلاسفہ کا بھی یہی نظریۂ حیات ہے وہ کہتے ہیں اس عالم کے بعد نہ کوئی دوسرا عالم ہے نہ اس دنیاوی زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے ۔اس لئے جس طرح ممکن ہو دنیا کی دولت، ثروت، سامان عیش وعشرت زیادہ سے زیادہ جمع کرلو۔ اس تصور کے بعد انسان کا مقصود حیات اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"۔

محترم ناظرین! اس تصور حیات کا منطقی نتیجہ باہم تصادم، قتل وغارت گری، فتنہ وفساد ہے۔ قدرت نے دنیا میں کوئی چیز نامحدود مقدار میں نہیں پیدا کی ،سامان خورد ونوش ہو، یا تیل، پٹرول ،ہر چیز کی ایک متعین مقداریں موجود ہوتی ہیں، اور آپ سمجھ چکے ہیں کہ انسانی خواہشات کی کوئی حد نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ میں دنیا کی ہر نعمت زیادہ سے زیادہ حاصل کروں۔ یاد رکھئے طلبگار جتنے زیادہ ہوں گے ہر شخص کا حصہ اتنا ہی کم ہوگا مثلاً مجلس میں اگر ایک من لڈو تقسیم کئے جائیں تو فرض کیجئے ہر ایک کے حصے میں دولڈو آئیں گے، اور اگر مجمع دوگنا ہوگیا تو حصہ آدھا ہو جائیگا ،اور ہر شخص کی خواہش ہے کہ مجھے زیادہ سے زیادہ ملے نتیجۃً چھینا جھپٹی مار پیٹ شروع ہو جائیگی۔ دور جدید میں جتنی بھی جنگیں برپا ہوئیں یا ہو رہی ہیں وہ اسی بات کا نتیجہ ہیں کہ ہر ملک موجودہ ذخائر پر اپنا قبضہ چاہتا ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر انسان کا مقصود حیات دنیاوی نعمت اور مال وزر کا زیادہ سے زیادہ حصول ہے تو جنگ

وجدال، فتنہ وفساد سے بچنا ناممکن ہے۔اور اگر مقصود حیات ثواب اخروی ورضائے الٰہی ہے تو کسی ٹکراؤ کا کوئی سوال ہی پیدانہیں ہوتا کیونکہ وہاں کا معاملہ اس دنیا سے مختلف ہے۔آخرت کے طلبگار جتنے بڑھتے جائیں گے،ثواب بڑھتا جائیگا دیکھئے آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں تو آپ کو ایک نماز کا ثواب ملے گا اور اگر جماعت سے پڑھیں تو ستائیس نمازوں کا ثواب پائیں گے۔پھر جتنی بڑی جماعت ہوگی ثواب اورزیادہ ہوگا پھر باہم تصادم کا کیا سوال۔بلکہ ہر شخص فطرۃً دوسرے طلبگار آخرت سے محبت کرنے لگے گا کہ اس کی وجہ سے مجھے ثواب زیادہ ملا۔الغرض دینا میں امن وسلامتی قلب وروح کی آسودگی کے لئے ضروری ہے کہ انسان کا مقصود حیات دنیا میں نہیں عقبیٰ کو قرار دیا جائے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا اور دنیا کی گوناگوں نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھایا جائے ساری نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی لئے پیدا کی ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھائے۔

مگر اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ دنیا کیساتھ اس طرح چپک کر رہ جاؤ کہ عقبیٰ برباد ہوجائے اسلام نہ غرق فی الدنیا کی اجازت دیتا ہے اور نہ ترک دنیا کی۔ایک بزرگ نے بڑی آسان مثال سے اس کو واضح کیا ہے فرماتے ہیں فرض کرو ایک حوض شہد سے بھرا ہوا ہے کچھ چونٹیاں ہیں جو اپنے سوراخوں سے باہر نہیں آئیں حوض سے دور رہیں۔اور کچھ ایسی ہیں کہ شہد سے بھرے ہوئے حوض کو دیکھا اور حوض میں گر گئیں تاکہ زیادہ شہد کھائیں۔تو ظاہر ہے ان کے لئے ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔اور جو نہیں آئیں اتنی بڑی نعمت سے محروم رہ گئیں۔یہ تارک الدنیا وطالب الدنیا کی مثالیں ہیں ۔اور ہوشمند چونٹیاں وہ ہیں جو حوض کے کنارے رہ کر حسب ضرورت کھالیتی ہیں وہ اپنے کو ہلاکت سے بھی بچالیتی ہیں اور اتنی بڑی نعمت سے محروم بھی نہیں ہوتیں، یہی اعتدال کی راہ ہے۔اور اسلام اسی اعتدال کا مطالبہ کرتا ہے وہ کہتا ہے پاکیزہ رزق جو اللہ نے پیدا کیا ہے کھاؤ،کلوا من طیبات ما رزقناکم ''ارشاد خداوندی ہے''قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبت من الرزق ''آپ کہیئے کہ سامان زیبائش اور پاکیزہ رزق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمایا ہے اسے کس نے حرام کردیا۔لیکن اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ اسراف وتبذیر سے بچتے

رہو۔اسلام دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہونے کی اجازت دیتا ہے ترک دنیا کی اسلام میں گنجائش نہیں ۔"لا رھبانیۃ فی الاسلام" اسی دنیا کے ذریعہ آخرت تلاش کرو یہی دنیا آخرت کی کھیتی ہے "الدنیا مزرعۃ الآخرۃ" قارون اپنے زبردست مالی وسائل اور دولتمندی کی بناپراپنی قوم پر ظلم کرنے لگا ان کا استخفاف کرتا تھا انکو حقیر سمجھتا تھا، ارشاد ہے "اذقال لہ قومہ لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین، وابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرۃ ولاتنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولاتبغ الفساد فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین" ﴿ایک باراس کی قوم نے اس سے کہا اترا مت اللہ اترانے والوں سے محبت نہیں کرتا ۔اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے اس میں آخرت کی بھی تلاش کر۔یعنی اس کے ذریعہ دار آخرت طلب کر اور اپنے دنیا کے حصے کو بھی فراموش نہ کر۔اور جیسے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کر۔اور دنیا میں فساد کی خواہش نہ کر۔اللہ تعالیٰ مفسدین سے محبت نہیں کرتا﴾ آخرت کے دار نعیم تک پہونچنے کا یہی ذریعہ ہیکہ اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا، خداوندا میں کیسے سمجھوں کہ تو مجھ سے راضی ہے، ارشاد ہوا موسیٰ! میرے بندوں کو دیکھو، اگر وہ تم سے خوش ہیں تو سمجھ لو کہ تمہارا خدا بھی تم سے خوش ہے۔اللہ سے محبت کا راستہ یہی ہے کہ اس کے بندوں سے محبت کی جائے۔انکے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔یا یوں کہیئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کا تقاضہ ہیکہ اسکے بندوں کے ساتھ ہمدردانہ روش اختیار کی جائے۔ان کی ضروریات پوری کی جائیں۔ان کی دلدہی کی جائے۔قرآن پاک نے اللہ سے محبت کرنے والوں کی یہی شان بتائی ہے۔ارشاد ہے "ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا ۝ انما نطعمکم لوجہ اللہ لانرید منکم جزاء ولا شکورا ۝" اللہ تعالیٰ کی محبت میں یتیموں، مسکینوں، قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کھلانا صرف اللہ کے لئے ہے ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کسی قسم کی شکر گزاری اللہ تک پہنچنے کا یہی ذریعہ ہے کہ تم اس کے بندوں

کو خوش کرو۔ ان کا دکھ درد حتی الوسع دور کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نے ایک حدیث جو صحیحین میں ہے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المُسلِمُ اَخو المُسلِم لا یظلمہ ولا یسلمہ، ومن کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن فرّجَ عَن مُسلِمٍ فرّجَ اللہ لَہٗ کُربۃً من کُرَبِ یوم القیمۃ ومن سَتَرَ مُسلِماً سَتَرہ اللہ لہ یوم القیمۃ" ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اسے مصائب کے حوالہ کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کریگا اللہ تعالی اس کی حاجت روائی فرمائیگا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کریگا اللہ تعالی قیامت کے دکھوں میں سے کوئی دکھ اس کا دور فرمائیگا۔ اور جو مسلمان کسی مسلمان کے عیبوں کی پردہ پوشی کریگا اللہ تعالی روز قیامت اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی پروردگار میں تجھے کہاں ڈھونڈھوں تو مجھے کہاں ملے گا، ارشاد ربانی ہوا! مجھے تم پریشان حال شکستہ خاطر بندوں کے پاس پاؤ گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مسلم شریف کی ایک حدیث ملاحظہ فرمایئے پیرایہ بیان اتنا موثر ہے کہ دل دہل جاتا ہے، قیامت کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، کل قیامت کے دن خداوند ذوالجلال اپنے ایک بندے سے فرمائیگا۔

یابن آدمَ امرِضتُ فلم تعُدنِی قَالَ:کَیف اَعُودُکَ وَاَنتَ رَبُّ العٰلمِین ،قَالَ:أَمَا عَلِمتَ اَنَّ عَبدِی فُلَاناً مرض فلم تعده اما علمت انك لو عدته لوجدتنی عنده یاابن آدم !استطعمتك فلم تطعمنی قالی یارب:کیف اطعمك وانت رب العلمین قال:اما علمت انه استطعمك عبدی فلان فلم تطعمه اما علمت انه لو اطعمته وجدت ذلك عندی یا بن آدم ! استسقیتك فلم تسقنی قال:کیف اسقیك وانت رب العلمین قال:استسقاك عبدی فلان فلم تسقه اما انك لوسقیته وجدت ذلك عندی (مسلم عن ابی هریرة)

اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری تیمارداری نہیں کی بندہ حیرت زدہ ہو کر کہے گا بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے اور تو رب العلمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لئے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ (اسی طرح خدائے تعالیٰ فرمائیگا) اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا بندہ عرض کریگا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے کسی چیز کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائیگا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا ۔یونہی اللہ تعالیٰ فرمائیگا ،اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے مجھے پانی نہ پلایا بندہ عرض کریگا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تجھے پانی پلاتا تو تو خود پروردگار عالم ہے خدا فرمائیگا میرے فلاں پیاسے بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہ پلایا اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو تو اسے میرے پاس پاتا (مسلم شریف عن ابی ہریرۃ)

اس حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے بندے سے جو خطاب کا انداز ہے دل دہلا دینے والا ہے۔ غور کیجئے یہ ارشاد کہ میں بیمار تھا، میں بھوکا تھا، میں پیاسا تھا، اپنے شکستہ حال بندے کی بیماری، اس کی بھوک پیاس کو اپنی طرف منسوب کر رہا ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ غایت درجہ پیار ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ اگر کسی کو خدا کی تلاش ہے اور

وہ اس کے قرب کا متمنی ہے تو دنیا سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی میں اپنے رب کو نہیں پا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اس کے بندوں کی خبر گیری بھی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے کہ اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے ان کے دکھ درد کو حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ بندوں کو دکھ دے کر کبھی بھی کوئی اللہ کو خوش نہیں کر سکتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے "من لا یرحم الناس لا یرحمه الله" (رواه البخاری الادب المفرد) وعن عمر رضی الله عنه لا یرحم من لا یرحم ولا یغفر من لا یغفر "جو لوگوں پر رحم نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہ فرمائیگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا ترجمہ یہ ہے اس پر رحم نہ کیا جائیگا جو دنیا میں لوگوں پر رحم نہیں کریگا۔ اور جو دنیا میں لوگوں کے قصور معاف نہ کرے گا قیامت کے دن اس کی مغفرت نہ ہوگی۔ وہ بخشا نہ جائیگا (الادب المفرد) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی حدیث ہے "ارحموا ترحموا" تم رحم کرو تم پر رحم کیا جائیگا۔ الادب المفرد)

جامع العلوم والحکم میں صحیحین کے حوالہ سے ایک حدیث ہے غور سے پڑھیئے "عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال النبی صلی الله علیه وسلم کان تاجر یدائن الناس فاذا رأی معسراً قال لصبیانه تجاوزوا عنه لعل الله ان یتجاوز عنا فتجاوز الله عنه" آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا وہ کسی کو مفلس و تنگ دست دیکھتا تو اپنے لڑکوں سے کہتا کہ اس سے درگزر کرو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائیگا حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا یعنی اس کو بخش دیا۔ ایک روایت میں ہے اس سے پوچھا گیا کہ تمہاری مغفرت کیسے ہوئی؟ اس نے بتایا میں لوگوں سے درگزر کرتا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے درگزر فرمایا۔ یعنی میں بخش دیا گیا۔

محترم قارئین! اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کا ذریعہ صرف انسانوں کے ساتھ ہی بہتر سلوک اور رحمت وشفقت نہیں ہے۔ وہ خالق کائنات ہے۔ رب العلمین ارحم الراحمین ہے۔ اس کی ربوبیت ورحمت سب کو عام ہے اس لئے اس کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے ضروری

ہے کہ انسانوں کے علاوہ وحوش وطیور سب کے ساتھ رحمت وشفقت کا برتاؤ کیا جائے۔اس بارے میں احادیث کریمہ کا اتنا بڑا ذخیرہ ہیکہ اس مختصر سے مضمون میں انہیں پیش نہیں کیا جاسکتا۔۔۔میں اختصار کے ساتھ چند احادیث انتہائی معتبر ومستند حوالوں سے نقل کررہا ہوں دنیا اگر ان احادیث کا مطالعہ عناد وتعصب سے بلند ہوکر کرے تو یقینی طور پر اعتراف کرلے گی کہ اسلام پوری کائنات کیلئے پیام رحمت ہے اور آپ رحمۃ للعلمین ہیں۔انسانوں کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق احادیث تو آپ نے پڑھ لیں اب دیکھئے بے زبان مخلوق کے ساتھ رحمۃ للعلمین کا پیام رحمت وشفقت کیا ہے؟ اوران کے ساتھ رحم دلی کرنے والوں کے لئے کیسی کیسی بشارتیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص راستہ چل رہا تھا اس پر پیاس کا سخت غلبہ ہوا پھر اسے کنواں ملا وہ شخص اس میں اترا، اور پانی پی کر سیراب ہوا، اور جب کنویں سے باہر آیا تو دیکھا کہ وہاں ایک کتا ہے جو پیاس کی شدت سے پریشان وہاں کی نم مٹی چبا رہا ہے، اس شخص نے دل میں کہا کہ جتنی شدید میری پیاس تھی اتنی شدید اس کی بھی پیاس ہے۔اللہ کے رسول فرماتے ہیں کہ وہ شخص پھر کنویں میں اترا اور اپنے خف میں پانی بھرلیا کتے نے اس سے پانی پی لیا ''فسقی الکلب فشکرہ اللہ لہ فغفرلہ'' کتے کی اس نے پیاس بجھائی تو اللہ تعالی نے اسکے اس عمل کو قبول فرمالیا اور وہ شخص بخش دیا گیا۔قالو ایارسول اللہ !وان لنا فی البھائم اجرا؟ قال: فی کل ذات کبدرطبۃ اجر ''صحابہ نے سوال کیا بہائم کے بارے میں بھی ہمارے لئے اجر ہے؟ ارشاد ہوا ہر جاندار کے بارے میں اجر ہے۔بہائم سے متعلق ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے، ایک گوشے میں کمزور اونٹ بیٹھا ہوا تھا، جب اس نے آپ کو دیکھا تو آہستہ آہستہ چلتا ہوا آپ کے قریب آیا اور احتراما سربسجود ہوگیا پھر آپ کے گوشِ مبارک کے قریب کچھ بڑبڑانے لگا، صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں سمجھ رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لیکن حضور ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہورہا تھا، غیض وغضب کے آثار نمایاں ہورہے تھے، پھر جب اونٹ خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا یہ اونٹ کس کا ہے

ایک نوجوان صحابی نے جواب دیا، یارسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے، آپ نے فرمایا تم اسے پیٹ بھر خوراک نہیں دیتے اور اس پر بوجھ اس کی طاقت سے زیادہ ڈال دیتے ہو توبہ کرو ورنہ میں سزا کردوں گا؟ (شفا شریف)

آپ نے پڑھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کی مغفرت صرف اس لئے فرمادی کہ اس نے ایک کتے کی پیاس بجھائی تھی۔ یونہی اگر کوئی کسی جانور پر ظلم کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بھی نہیں بچ سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں ''قال النبی ﷺ: عذبت امرأة فی هرة حبستها حتی ماتت جوعا فدخلت فیها النار'' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت عذاب الٰہی میں صرف اس لئے گرفتار ہوئی کہ اس نے ایک بلی کو بند کردیا اور وہ بھوک سے مرگئی تو اسی ظلم کی بنا پر جہنم میں ڈال دی گئی۔ حضور اکرم رحمت دوعالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی جاندار مخلوق کی تکلیف سے کس درجہ مضطرب ہوجاتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔ ''عن عبدالله ان النبی صلی الله علیه وسلم نزل منزلا فاخذ رجل بیضة حمرة فجاءت ترفرف علیٰ رأس رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال من فجع هذه بیضا فقال رجل: یارسول الله! أنا أخذت بیضتها فقال النبی صلی الله علیه وسلم اردد رحمة لها (الادب المفرد باب اخذ بیض الحمرة) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (اثناء سفر) ایک جگہ قیام فرمایا، اصحاب میں سے ایک شخص نے چڑیا کا انڈا اٹھالیا، چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر بے چینی سے پھڑ پھڑانے لگی آپ نے دریافت فرمایا کہ کس شخص نے چڑیا کا انڈا لے کر اسے بے چین کردیا ہے؟ تو ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں نے اس کا انڈا اٹھالیا ہے، آپ نے ازراہ ترحم اس شخص سے فرمایا کہ اس کا انڈا اس کی جگہ پر واپس رکھ دو۔

محترم ناظرین! پیغمبر اسلام ﷺ کے ارشادات آپ کے سامنے ہیں، اگر واقعی

ہمیں اپنے رسول سے سچی محبت ہے تو آپ کے اخلاق کریمانہ آپ کی ہمہ گیر رحمت وشفقت کا عکس ہماری زندگی میں بھی ہونا چاہیئے ورنہ دعوائے عشق ومحبت قطعاً لائق اعتنا نہیں ۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی سیرت مبارکہ کو امت کے لئے نمونۂ عمل قرار دیا ہے۔ارشاد ہے''لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة '' بے شک رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔آپ کے طریقۂ عمل آپ کی سنت ثابتہ سے ہٹ کر کوئی عمل مقبول نہیں ہوسکتا۔فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ نے عمل حسن کی بڑی جامع تعریف فرمائی ہے۔فرماتے ہیں''العمل الحسن اخلصه و اصوبه، و الخالص ما کان لله و الصواب ما کان علی السنة '' عمل حسن وہ ہے جو خالص تر اور درست تر ہو، خالص وہ ہے جو صرف اللہ کے لئے ہو اور درست عمل وہ ہے جو سنت کی مطابق ہو۔اگر عمل میں اخلاص نہیں تو نامقبول اور سنت کے مطابق نہیں تو مردود۔عن عائشة رضی الله عنها قالت:قال رسول الله ﷺ "من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو مردود" یعنی جو اسلام میں ایسی چیز ایجاد کرے جو اسلام میں نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اصل ہے تو وہ شی مردود ہے لائق التفات نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت بھی خود ساختہ طریقہ سے ممکن نہیں ہے چاہے اخلاص کے کسی درجہ پر کیوں نہ ہو(بحوالہ ریاض الصالحین) ایک حدیث پیش کررہا ہوں'' وعن انس رضی الله عنه قال:جاء ثلاثة رهطٍ الی بیوت ازواج النبی ﷺ یسألون عن عبادة النبی ﷺ فلما اخبر واکانهم تقالوها وقالوا:این نحن من النبی ﷺ وقد غفر له ما تقدم من ذنبه وماتاخر،قال احدهم:اماانا فأصلی اللیل ابداًوقال الآخر: وانا أصوم الدهر ابدا ولا افطر،وقال الآخر:وانا اعتزل النساء فلا اتزوج ابداً،فجاء رسول ﷺ فقال:انتم الذین قلتم کذاوکذا؟أما والله انی لأخشاکم لله واتقاکم له،لکنی أصوم وأفطر وأصلی وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی " حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین شخص ازواج مطہرات کے گھروں پر آئے، آنحضرت ﷺ کی

کیفیت دریافت کرنے کیلئے، جب انہیں آپ کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اپنے لئے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہم آنحضورﷺ کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب کہ آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کردی گئی ہیں۔ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ پوری رات نماز پڑھوں گا۔اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی نہیں چھوڑوں گا۔اور تیسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا تمہیں وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ آگاہ رہو، اللہ کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اسکا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں، میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، اور راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کی ہے تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صرف اخلاص ہی کافی نہیں بلکہ کسی بھی عمل کی مقبولیت کیلئے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو سو سال بعد زھاد نصاریٰ نے جذبۂ عبودیت کے جوش ہی میں رہبانیت کا غیر فطری نظریہ پیش کیا تھا، ان میں اخلاص کی کمی نہیں تھی۔لیکن وہ خدا اور رسول کی ہدایت کے بغیر خود ساختہ طریقہ تھا، اس لئے بدعت قرار دیا گیا۔

ناظرین! اللہ سے محبت اور اسکے تقرب کا سیدھا راستہ تو یہی ہے کہ اس کے بندوں کے ساتھ محبت کی جائے، لیکن یاد رہے کہ محبت ایک ایسا جذبہ ہے کہ اگر صحیح رہنمائی میں نہ ہو تو انسان ہلاکت دنیا سے دوچار ہو سکتا ہے۔دیکھئے اس وقت دنیا میں دو اہل کتاب قومیں موجود ہیں۔ایک یہودی جو اپنی سرکشی کی بنا پر غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے۔دوسری اہل کتاب قوم نصاریٰ ہے ان کی ضلالت و گمراہی کا بڑا سبب یہی ہے کہ انہوں نے اپنے برگزیدہ رسول کی واضح ہدایات کو نظر انداز کر دیا۔اور آپ کی محبت میں حد سے تجاوز کر گئے۔نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مکرمہ کو منصب الوہیت پر فائز سمجھ لیا۔اور ان کی پرستش شروع کردی، استغفر اللہ۔حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے تو

گہوارۂ مادر میں اعلان کر دیا تھا" انی عبد الله آتانی الکتاب وجعلنی نبیاً "میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ نے کتاب دی اور نبی بنایا۔ نصاریٰ محبت میں غلو اور اغراق کے نتیجے میں گمراہ ہو ئے۔ یہی حال دوسری مشرک قوموں کا ہے، جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے" ومن الناس من یتخذ من دون الله انداداً یحبونهم کحب الله والذین آمنوا اشد حبا لله "اور دیکھو! انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہم پلہ بنا لیتے ہیں، وہ انھیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جیسے اللہ کی چاہت ہوتی ہے۔ یعنی وہ اللہ کی طرح ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ جو اہل ایمان ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ محبت صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ محبت تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ لیکن محبت وشیفتگی کا انداز نبی کی اطاعت اور پیروی میں ہونا چاہیئے۔ نصاریٰ جو اپنے برگزیدہ رسول کی پرستش کرنے لگے تھے وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرتے ہیں، انہیں قرآن نے آگاہ کیا کہ اللہ کا راستہ تمہیں اللہ کا رسول بتائیگا۔" قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم والله غفور رحیم"

اے رسول ان لوگوں سے کہہ دو اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھنے والے ہو تو پھر میری پیروی کرو، میں تمہیں محبت الٰہی کی حقیقی راہ دکھا رہا ہوں، اگر تم نے میری پیروی کی تو صرف یہی نہیں ہوگا کہ تم اللہ سے محبت کرنے لگو گے بلکہ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنائیگا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔

ناظرین! جو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں نے پیش کی ہے ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام تمام عالم کیلئے امن وسلامتی، محبت ورحمت، دلجوئی وغمگساری کا پیغام ہے۔ اور اسی کا نام انسانیت ہے۔ یہی انسان کی انسانی زندگی ہے جو بارگاہ نبوت سے ملتی ہے" یاایها الذین آمنو استجیبو الله وللرسول اذادعاکم لما یحییکم "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب اللہ کا رسول اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی دینے والی ہو، اللہ تعالیٰ کے

رسول اس دنیا میں بظاہر نہیں ہیں لیکن انسان کو زندگی دینے والی شی موجود ہے۔وہ قرآن عظیم ہے۔احادیث رسول ہیں۔پروردگار عالم نے آپ کی حیات مقدسہ کو نمونہ عمل قرار دیا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ''بیشک اللہ کے رسول کی زندگی تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ہم مسلمان ہیں۔اگر ہم کو اپنے رسول سے سچی محبت ہے تو آپ کی پاکیزہ سیرت کے انسانیت نواز کردار کا ظہور ہم میں بھی

ہونا چاہیئے۔

فتح مکہ کی تاریخ دنیا کے سامنے ہے دس ہزار جاں نثار صحابہ کی فوج ساتھ ہے۔سنو فاتح مکہ کی زبان سے کیا اعلان ہو رہا ہے؟ کسی بچے کو تکلیف نہ دینا، کسی عورت اور بوڑھے شخص پر ہاتھ نہ اٹھانا ،جو جنگ سے دور رہے اسے بھی امان ہے، جو حالت جنگ میں اپنے اسلحے زمین پر رکھدے اسے بھی امان،اور جو اپنے دروازے بند کرلے اسے بھی امان،اور جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اسے بھی امان۔

ذرا چشم تصور سے دیکھو! مجرمین صف بصف حاضر ہیں،ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہوں میں کانٹے بچھائے،وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ پر بارہا پتھر برسائے، سب آخری فیصلہ کے منتظر ہیں۔زبان مبارک میں جنبش آتی ہے ''انتم الطلقاء لاتثریب علیکم الیوم'' تم سب آزاد ہو،آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں کوئی سرزنش نہیں۔

دنیا میں بڑے بڑے فاتحین گزرے ہیں لیکن ان کی فتوحات کی داستانوں میں آبادیوں کی ویرانی ہے،قتل وغارت گری ہے،عورتوں کی بیوگی ہے،بچوں کی چیخیں ہیں۔فتح مکہ کی تاریخ عفو درگزر ،رحمت وشفقت،امن وسلامتی کی تاریخ ہے۔حفاظت نفس کے لئے ضروری ہو تو بدلہ لینے اور ظلم کے خلاف جوابی کارروائی کی اسلام اجازت ضرور دیتا ہے لیکن دشمن کو معاف کردینے کو زیادہ بہتر قرار دیتا ہے۔''وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ''اور تم بدلہ لو تو جتنی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہے ٹھیک اسی کے مطابق بدلہ لو،ایسا نہ ہو کہ

جوش انتقام میں زیادتی کر بیٹھو، اور اگر بدلہ لینے میں صبر کرو تو (یاد رکھو) برداشت کرنے والوں کی لئے بہتری ہے۔ ''وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سيئة مثلها فَمَنْ عَفَىٰ وَاَصْلَحَ فَاَجْره علی الله '' اور برائی کا اتنا ہی بدلہ ہے جتنی برائی کی گئی، لیکن جس نے دشمن کو معاف کردیا اور معاملہ کو مزید بگاڑ سے بچالیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ اپنے اوپر زیادتی کے باوجود صبر کر جانا اور دشمن کو معاف کر دینا اخلاق حسنہ کا بلند ترین مقام ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے'' وَ لَمَن صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذلك لمن عزم الامو ر'' اور جو کوئی برائی پر صبر کرے اور بخش دے تو یقیناً یہ بڑی اولوالعزمی کی بات ہے۔

غصہ ضبط کرنے والوں، معاف کرنے والوں، احسان کرنے والوں کی ستائش میں کلام الٰہی ملاحظہ کیجئے'' والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس والله یحب المحسنین '' غصہ ضبط کرنے والے اور انسان کے قصور معاف کردینے والے اور اللہ تعالی احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک بڑی بصیرت افروز حکایت میں نے پڑھی ہے ﴿ایک مرتبہ آپ کے یہاں کچھ مہمان آئے ہوئے تھے، آپ کا غلام کھانا لارہا تھا، اتفاقاً برتن کج ہوا اور شوربہ آپ کے سر مبارک پر گر گیا، آپ نے غصہ سے غلام کی طرف دیکھا، غلام نے پڑھا'' **والکاظمین الغیظ** '' غصہ ضبط کرنے والے'' آپ نے فرمایا میں نے غصہ ضبط کیا، غلام نے پڑھا'' **والعافین عن الناس** '' آپ نے فرمایا جا میں نے معاف کیا۔ غلام نے کہا: حضور آگے اور ہے'' **والله یحب المحسنین** '' اللہ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ امام نے فرمایا'' **انت حر لوجه الله** '' تجھے میں نے اللہ کیلئے آزاد کیا۔﴾ کس درجہ زیرک اور اپنے آقا کا مزاج شناس تھا وہ غلام جس نے ایک آیت کا سہارا لے کر کتنی آسانی سے آزادی حاصل کرلی، اسلامی آداب زندگی کی یہ ایک جھلک ہے، جو حسن اخلاق کا سبق آموز نمونہ ہے، دنیا کو اسی آداب زندگی کی ضرورت ہے، اور زندگی اور معیشت کا یہی طور طریق بہیمت کے انداز معیشت سے انسان کو ممتاز کرتا ہے۔

محترم ناظرین! اللہ تبارک وتعالی نے اپنے بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت

ورحمت کی جو بار بارتاکید فرمائی ہے اور پیغمبر اسلام رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنی سیرت کے ذریعہ محبت ومودت، رحمت ورافت جو کا پیغام دیا ہے ان سب کا ماحصل یہی ہے کہ بندہ اپنے اندر اللہ کی صفات کا پرتو پیدا کرے۔ اللہ رب العالمین ہے، وہ ایک چینوٹی سے لے کر شیر، چیتے، گینڈے، ہاتھی، اشرف المخلوقات انسان تک سب کو رزق پہونچا رہا ہے۔ اور اس دنیا میں دوست اور دشمن کے درمیان تفریق نہیں کرتا۔ سب کو یکساں پروان چڑھا رہا ہے۔ ہم اس کے بندے ہیں، اس کی صفت ربوبیت کی نمو ہم میں بھی ہونی چاہیے، ہمارا خدا رحمٰن ورحیم ہے، ہمیں بھی ہر مخلوق کے لئے سرتاپا رحمت بن جانا چاہیے، اللہ تعالیٰ بار بار یاد دلاتا ہے کہ اس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں، تو ضروری ہے کہ ہم میں بھی لوگوں کے قصور معاف کردینے کا نہ ختم ہونے والا جذبہ ہونا چاہیے۔

اور یقین کیجئے کہ یہی صفات ہیں جو انسان کو حیوانی سطح سے بلند کرتی ہیں۔ اور اسی سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ورافت، عفو وبخشش کے بارے میں تمام آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو جمع کردیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے۔ میں یہاں چند آیات اور کچھ مستند احادیث لکھ رہا ہوں ان سے واضح ہوجائیگا کہ اللہ تعالیٰ کسی حال میں بھی اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا، چاہے کتنے ہی بڑے گناہ ہوں۔ بندہ جب اسے پکارے گا تو مژدۂ رحمت وبخشش کے سوا کوئی اور جواب نہیں ملے گا۔ "ومن یعمل سوأاو یظلم نفسه ثم یستغفرالله یجد الله غفوراً رّحیماً" **قال الله تبارك وتعالی** "قال ربکم ادعونی استجب لکم" "مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول کروں گا۔

آیات قرآنیہ کے بعد چند احادیث کریمہ ملاحظہ کیجئے" عن انس رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: والذی نفسی بیده لو اخطا تم حتی تملأ خطایاکم ما بین السماء والارض ثم استغفر تم الله لغفر لکم" حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرمارہے تھے کہ اگر تم نے اتنے زیادہ گناہ کئے کہ تمہارے گناہ زمین وآسمان کے خلاء کو پر کردیں اور پھر تم لوگ توبہ واستغفار کرو اور اپنے رب

سے مغفرت اور بخشش طلب کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا۔ارشاد خداوندی ہے"قل لعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعاً ط انه هو الغفور الرحيم ۔اے میرے بندو جنہوں نے بداعمالیوں کے ارتکاب سے اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، یقیناً اللہ تمہارے سارے گناہ بخش دے گا وہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔اس آیت کریمہ میں خدا نے اپنے خطاکار بندوں کا یائے نسبت کے ساتھ ذکر کیا ہے، جو محبت اور مہربانی پر دلالت کرتی ہے، دیکھئے جب باپ جوش محبت میں اپنے لڑکے کو پکارتا ہے تو اپنی نسبت پدری کا اظہار کرتا ہے"اے میرے بیٹے"لڑکا سمجھ جاتا ہے کہ باپ مہربان ہے، دوڑا ہوا چلا آتا ہے، حضرت امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ والرضوان نے سورہ زمر کی آیت رحمت کی تفسیر کرتے ہوئے کیا ہی خوب فرمایا ہے جب ہم اپنی اولاد کو اپنی طرف نسبت دے کر مخاطب کرتے ہیں تو وہ بلاخوف وخطر ہماری طرف دوڑنے لگتے ہیں کیونکہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہم ان پر غضبناک نہیں ہیں، قرآن شریف میں بیسیوں جگہوں پر ہم کو خدا نے"عبادی"کہہ کر اپنی طرف نسبت دی ہے، سخت گنہگاروں کو"یا عبادی"کہہ کر پکارا ہے۔کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور مغفرت وبخشش کا پیغام ہو سکتا ہے؟

پروردگار عالم اپنے بندوں کو آخری لمحۂ حیات تک موقع عنایت کرتا ہے کہ گنہگار بندہ اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اللہ کا محبوب بن جائے"ومن يعمل سوأ او يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً۔جس نے برا عمل کیا ہے یا اپنے اوپر ظلم کیا اور پھر خدا سے استغفار کیا تو اللہ کو غفور رحیم پائیگا، جامع العلوم والحکم میں ہے"کان رجل يعمل السيئات فخرج الى البرية فجمع تراباً فاضطجع مستلقياً عليه فقال رب اغفر لی ذنوبی ،فقال ان هذا ليعرف ان له ربا يغفر ويعذب فغفرله"ایک شخص تھا جو گناہ کیا کرتا تھا ایک روز صحرا کی طرف نکل گیا پھر اس نے مٹی جمع کی اور اسی پر چت لیٹ گیا اور کہنے لگا: رب اغفر لی

ذنوبی: اے میرے رب میرے گناہ معاف کردے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ شخص جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو بخش دیتا ہے اور وہی عذاب بھی دیتا ہے تو وہ بخش دیا گیا۔

حضرت حافظ ابن رجب فرماتے ہیں: مغفرت و بخشش کا بڑا سبب یہ ہے کہ بندہ اس بات کا یقین رکھے کہ جزا وسزا کا مالک صرف اللہ ہے اسی کے اختیار میں ہے چاہے گنہگار بندے کو معاف کردے یا عذاب دے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یاتی الله بالمؤمن یوم القیامة فیقربه حتی یجعله فی حجابة من جمیع الخلق فیقول له اقرأ فیعرفه ذنبا ذنبا، أتعرف أتعرف؟ فیقول نعم نعم، ثم یلتفت العبد یمنة ویسرة فیقول الله تعالیٰ لا بأس علیك یا عبدی انت فی ستری من جمیع خلقی لیس بینی وبینك الیوم احد یطلع علیٰ ذنوبك غیری اذهب فقد غفرتها لك بحرف واحد من جمیع ما أتیتنی به قال ما هو یارب؟ قال کنت لا ترجو العفو من احد غیری" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک مؤمن کو حاضر کرے گا اور قریب کردیگا تمام مخلوقات کی نگاہوں سے اسے مستور کردیگا، پھر اس سے فرمائیگا پڑھو پھر ایک ایک گناہ اس پر واضح کردیگا، اور پوچھے گا کیا اپنے گناہ پہچانتے ہو؟ بندہ کہے گا نعم نعم ،ہاں ہاں اے میرے رب، پھر بندہ دائیں بائیں دیکھنے لگے گا اللہ تعالیٰ فرمائیگا، کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے تم تمام مخلوقات کی نگاہوں سے میرے پردے میں ہو میرے اور تمہارے درمیان کوئی اور نہیں جو تمہارے گناہوں پر مطلع ہو، جاؤ میں نے تم کو ان اعمال میں سے جو تم میرے پاس لائے ہو ایک بات کی بنا پر بخش دیا: بندہ کہے گا: وہ کیا ہے پروردگار؟ اللہ تعالیٰ فرمائیگا وہ امر یہ ہے کہ تم میرے سوا کسی اور سے بخشش کی امید نہیں رکھتے تھے (بحوالہ جامع العلوم) آخرت کی جزا وسزا کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں یہ ایمان ضروری ہے، اس ایمان وایقان کے ساتھ جو بندہ دستک دے گا تو باب اجابت

کھلنے میں دیر نہیں لگے گی ''ادعونی استجب لکم'' مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول کروں گا۔

اس سلسلہ میں حافظ ابن رجب نے بڑی بصیرت افروز حکایت لکھی ہے، فرماتے ہیں کہ اصحاب ذوالنون مصری میں سے ایک شخص رات جب ڈھل جاتی تو یہ صدا لگاتا ہوا گلیوں سے گزر رہا تھا ''این قلبی، من وجد قلبی؟ کہاں ہے میرا قلب، اور میرا دل کس نے پالیا؟ اسی دوران اس مضطرب الحال شخص نے دیکھا کہ ایک عورت نے اپنے بچے کو مار مار کر گھر سے باہر کر دیا اور دروازہ بند کر لیا، بچہ چند قدم آگے بڑھا ادھر ادھر نگاہ دوڑائی پھر دروازے پر کھڑا ہو کر پکارتا ہے میری ماں! جب تم نے ہی میرے لئے دروازہ بند کر لیا ہے تو دوسرا کون میرے لئے دروازہ کھولے گا؟ ماں نے بچے کی یہ باتیں سنیں تو اس کی مامتا جوش میں آ گئی، دروازہ کھولا اور بچے کو گلے سے لگالیا، کہنے لگی میرے بیٹے تو ہی تو میرے دل کا سکون ہے یہ گھر تمہارے لئے کبھی بند نہ ہوگا۔ یہ منظر دیکھ کر مرد درویش پکار اٹھا ''وجدت قلبی، وجدت قلبی'' اس نے دیکھا کہ جب بچہ نے سمجھ لیا کہ اس کے گھر کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے تو ماں کی فطری محبت ورحمت نے بچے کو آغوش میں لے لیا تو ماں باپ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اسی کے دروازہ پر دستک دو باب اجابت ضرور کھلے گا، لاتقنطوا من رحمۃ اللہ پروردگار کی ربوبیت، رحمت ومغفرت، عفو وبخشش سے متعلق آیات واحادیث آپ نے پڑھ لیں۔

ان آیات واحادیث سے جو پیغام ملتا ہے وہ واضح طور پر یہی ہے کہ انسان صبر وضبط محبت ورحمت عفو وبخشش کا پیکر بن جائے، انسان کی ملکوتیت اسی کی مقتضی ہے، یہی انسانیت ہے، اسلام اسی زندگی کا داعی ہے خاتم الانبیا محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی کو اپنا مقصد بعثت قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے ''انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ''میری بعثت کا یہی مقصد ہے کہ مکارم اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہونچادوں،

یاد رکھئے! اخلاقیات پر کتنا ہی زور خطابت صرف کیا جائے ضخیم سے ضخیم کتابیں لکھی جائیں لیکن اگر خود معلم اخلاق کی زندگی اخلاق حمیدہ سے آراستہ نہیں ہے تو اس کی کاوشوں کا خاطر خواہ اثر نہیں

ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاق وکردار کا معلم بنا کر بھیجا تو آپ کو حسن اخلاق کے اس بلند مقام پر فائز کیا جہاں آج تک نہ کوئی پہونچ سکا نہ قیامت تک کوئی پہونچ سکے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''انک لعلی خلق عظیم'' بے شک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔ آپ کے اخلاق کریمانہ کی ہی تاثیر تھی کہ لوگوں کے دل خود بخود آپ کی طرف کھنچ آتے قرآن کا ارشاد ہے ''فبما رحمة من الله لنت لهم لو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك'' اے رسول یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تم لوگوں کیلئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ورنہ اگر تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو تمہارے اردگرد سے لوگوں کی بھیڑ چھٹ جاتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم کا بیان ہے کہ آپ سب سے زیادہ سخی اور کشادہ دست سب سے بڑھ کر جرأت مند، سب سے زیادہ عہد وپیمان کے پاسدار، سب سے زیادہ نرم مزاج ، سب سے زیادہ شریف، صادق القول، آپ کو جو اچانک دیکھتا ہیبت زدہ ہوجاتا اور قریب ہوتا تو آپ کی محبت سے سرشار ہوجاتا، آپ کا وصف بیان کرنے والا یہی کہتا کہ میں نے آپ جیسا پہلے کبھی دیکھا نہ آئندہ دیکھ سکوں گا۔ (ابن ہشام)

آپ کے جمال جہاں تاب آپ کی گفتار، اور آپ کے حسن اخلاق کا انسان پر کیا اثر پڑتا تھا ، ام معبد نے اس کی دلآویز تصویر کشی کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر ہجرت میں جب قُدَید کے ریگستان سے گزر رہے تھے تو راستے کے قریب ہی کچھ خیمے نظر آئے دیکھا تو ایک پختہ عمر کی عورت جو صورت سے باعفت اور باوقار نظر آرہی تھی، بیٹھی ہوئی اس مختصر قافلہ کو دیکھ رہی تھی، یہ عورت ام معبد ہے جس کی زندگی کا مشغلہ ہی گزرتے ہوئے راہ نوردوں کی تواضع کرنا، ان کو کھلانا اور پانی پلانا تھا جب آپ کا قافلہ خیمہ کی طرف بڑھا تو ام معبد کا چہرہ کھل اٹھا، خندہ پیشانی کے ساتھ خوش آمدید کہا اور چٹائی لاکر بچھادی کہ یہ لوگ آرام کرلیں اور صرف پانی رکھ دیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ام معبد تمہارے پاس کھانے کو کوئی چیز ہو تو ہم اس کی قیمت ادا کردیں گے ام معبد نے کہا کہ اگر کوئی چیز ہوتی تو اب تک حاضر کرچکی ہوتی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ایک بکری پر پڑی جو بہت کمزور

تھی۔آپ نے فرمایا ام معبد! اگر تم اجازت دو تو اس سے دودھ دوہ لوں۔ام معبد! یہ اتنی کمزور ہے کہ ریوڑ کے ساتھ چل بھی نہیں سکتی۔اس سے دودھ کی توقع نہیں کی جاسکتی، ویسے اگر آپ کو کچھ معلوم ہوتا ہے تو ضرور دوہ لیجئے۔میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ صلی اللہ علی وسلم نے بکری کو اپنے پاس منگوایا اور اس کی پشت اور تھن پر دست مبارک پھیرا اور دعا کی، اے اللہ ام معبد کی بکریوں میں برکت عطا فرما۔یہ محمد بن عبداللہ ﷺ ہیں جب آپ شیر خوار تھے اور حلیمہ نے آپ کو آغوش میں لیا تو حلیمہ کی بکریوں نے دودھ کی نہریں بہا دیں تھیں، آج تو آپ سید المرسلین خاتم النبیین ہیں آپ کی دعا کیونکر قبول نہ ہوتی، آپ نے برتن منگوایا برتن کافی بڑا تھا، آپ نے دست مبارک لگایا بکری نے ٹانگیں پھیلا دیں اور جگالی کرنے لگی۔آپ نے دوہنا شروع کیا برتن کافی بڑا تھا پھر بھی بھر گیا۔پھر آپ نے دودھ پہلے ام معبد کو دیا، ام معبد سیراب ہو چکیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا اور سب کے آخر میں خود نوش فرمایا، اور فرمایا "ساقی القوم آخرھم" اور دوبارہ برتن منگوایا اور پھر دوہنا شروع کیا جب برتن بھر گیا تو ام معبد کے حوالے کیا اور فرمایا یہ دودھ ابو معبد کو دینا جب وہ آئے، اس کے بعد یہ مدینہ کے مسافر روانہ ہو گئے، ام معبد حیرت زدہ ہو کر گہری سوچ مین غرق ہو گئیں یہ کون تھے، ان کی سوچ کا سلسلہ اس وقت ٹوٹا جب ابو معبد آ گئے اور کہا ام معبد کیا سوچ رہی ہو؟ ام معبد نے کہا: بس یونہی سوچ رہی ہوں اسی دوران ابو معبد کی نگاہ دودھ سے بھرے ہوئے برتن پر پڑی اسے سخت حیرت ہوئی، پوچھا، یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ ام معبد نے کہا: یہ دودھ اسی لاغر بکری کا ہے، پھر اس نے کہا کہ ایک بابرکت آدمی یہاں سے گزرا تھا، اس کی برکت سے اس بیمار و لاغر بکری نے دودھ دیا ہے، پھر تفصیل کے ساتھ واقعہ بیان کر دیا تو ابو معبد حیرت کے ساتھ کہنے لگا یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتے ہیں جن کی مجھے تلاش تھی، اس وقت عرب کے بدو آپ کو صاحب قریش کہا کرتے تھے۔ابو معبد نے کہا: ذرا تم ان کا حلیہ تو بتاؤ، ام معبد نے کہا: پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ شکم باہر نکلا ہوا نہ سر کے بال گرے ہوئے، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سرگیں و فراخ، بال لمبے، (کانوں کی لو تک) اور

گھنے، آواز میں بھاری پن، گردن اونچی، روشن مردمک، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ اور لمبی پلکیں، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پر کشش، دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک و پر جمال، قریب سے دیکھنے پر سب سے زیادہ خوبصورت، گفتگو شیریں، بات واضح دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا گویا لڑی سے موتی گر رہے ہیں، درمیانہ قد، رفقاء آپکے گرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں، مطاع ومکرم نہ ترش رو نہ لغو گو، (زادالمعاد)۔ غور کیجئے! ام معبد کتنی حساس پاکیزہ طینت تھی کہ تھوڑی دیر کی ملاقات تھی لیکن اس نے آپ کے اخلاق وکردار رفتار وگفتار کی ایسی دلکش تصویر کشی کردی کہ حیرت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپکو حسن اخلاق سے مرصع پیکر جمیل بنایا تھا کہ جو بھی دیکھتا خود بخود آپ کی طرف کھنچا آتا۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ کو بُریدہ اسلمی ملے یہ اپنی قوم کے سردار تھے، یہ بھی انعام کی لالچ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے تھے۔ جب آپ سے سامنا ہوا باہم گفتگو ہوئی تو ہوا یہ کہ جان لینے کے لئے گھر سے نکلے تھے اور اب تو دل وجان سے قربان ہوگئے۔ اپنے اسی ہمراہیوں کے ساتھ اسی وقت مسلمان ہوگئے، اپنی دستار سر سے اتاری اور اپنے نیزے سے باندھ دی اب یہ سفید پرچم ہوا میں لہرا رہا تھا، اور اعلان کر رہا تھا کہ امن وسلامتی کا پیغام سنانے والا عدل وانصاف سے دنیا کو بھر دینے والا آخری نجات دہندہ رسول آگیا (رحمۃ للعلمین) پیغمبر اسلام نبی مکرم روحی فداہ ﷺ کی حیات طیبہ کا جو بھی مطالعہ کریگا کہ بعثت سے پہلے بھی تمام اخلاق حمیدہ سے متصف تھے۔ پوری قوم اس کی معترف تھی۔ لوگ آپ کو صادق وامین کے لقب سے یاد کرتے تھے، اصابت رائے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، آپ ﷺ نے لوگوں کو خون خرابہ سے اس وقت بچالیا جب ابھی منصب نبوت پر فائز نہیں کیے گئے تھے۔

آپ کی عمر پاک کا پینتیسواں سال تھا خانہ کعبہ کی عمارت بہت قدیم ہونے کی بنا پر کمزور ہو گئی تھی۔ مزید براں زبردست سیلاب آیا جس کی وجہ سے صورت حال اور سنگین ہوگئی، قریش نے طے

کیا کہ اس کی تعمیر میں صرف جائز کمائی صرف کی جائے گی، طوائف کا پیسہ یا سود کی رقم استعمال نہ ہوگی ، جب دیواریں مکمل ہوگئیں اور حجر اسود نصب کرنے کا مرحلہ آیا تو مختلف قبائل کے درمیان سخت مناقشہ پیش آیا، ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ یہ شرف اسی کو حاصل ہونا چاہیئے۔ اندیشہ تھا کہ حرم پاک کی سرزمین انسانی خون سے داغ دار نہ ہو جائے، بالآخر سخت کشاکش کے بعد یہ طے پایا کہ کل صبح سب سے پہلے جو حرم میں داخل ہوگا اسی کو حکم مان لیں گے، وہ جو بھی فیصلہ کرے گا سب کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اللہ کی مشیت جب سردارن قریش صبح کو آئے اور سب سے پہلے داخل ہونے والے پر نظر پڑی تو بے ساختہ چیخ پڑے، ”**ھٰذا الامین رضیناہ محمد** ﷺ “ آپ چاہتے تو اس سعادت سے اپنے قبیلے کے سواسب کو محروم کر دیتے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ طریقہ اختیار فرمایا جس سے کسی کو بھی احساس محرومی نہیں رہا۔ آپ نے چادر منگوائی حجر اسود کو اس پر رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے فرمایا کہ آپ لوگ چادر کو ہر طرف سے پکڑلیں۔ پھر چادر کو اٹھایا گیا اور آپ نے اپنے دست اقدس سے حجر اسود کو اس کی جگہ نصب فرمادیا، آپ کی پاکیزہ سیرت دیکھ کر ہی آپ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں حسن کردار، فاضلانہ اخلاق، اور کریمانہ عادت کے لحاظ سے ممتاز تھے، آپ سب سے زیادہ بامروت، سب سے زیادہ معزز، سب سے بڑھ کر دور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ نرم مزاج، سب سے زیادہ پاک نفس، سب سے بڑھ کر نیک عمل، اور سب سے بڑھ کر پابند عہد، اور سب سے بڑے امانت دار تھے، حتیٰ کہ آپ کی قوم نے آپ کا نام ہی امین رکھ دیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ کی شہادت آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زبانی سنئے۔ آپ حرا میں محو عبادت تھے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام چند آیات مبارکہ لے کر آپ کے پاس تشریف لائے، ”اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك

الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم ، پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے، پڑھو تمہارا رب نہایت کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا، جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا، نزول وحی کے بعد آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے فرمایا مجھے اڑھادو مجھے اڑھادو، کچھ لمحے کے بعد سکون ہوا اور فرمایا مجھے کیا ہوگیا ہے، مجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے برجستہ کہا، ہرگز نہیں آپ کو اللہ تعالیٰ رسوا نہ کریگا، آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا انتظام فرماتے ہیں، حق کی راہ میں مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کی یہ سب سے مستحکم شہادت ہے، بیوی سے زیادہ شوہر کے اخلاق وکردار سے دوسرا کون واقف ہوسکتا ہے۔

محترم قارئین! یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ انسان جس ماحول اور جس معاشرے میں پیدا ہوتا ہے اس کے اثرات سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ لیکن پیغمبر اسلام محمد رسول ﷺ کے بارے میں دنیا کے مفکرین ودانشور کیا توجیہہ پیش کریں گے، آپ کی پیدائش ایسے ملک اور ایسی جگہ ہوئی جہاں بت پرستی عام تھی، شراب نوشی قوم کا پسندیدہ مشغلہ تھا، لیکن آپ نے شراب نوشی سے نہ صرف یہ کہ اجتناب فرمایا بلکہ اس سے ہمیشہ نفرت کی، آپ کی قوم کے بوڑھے، جوان سب لات وہبل کے سامنے سجدہ ریز ہورہے تھے، لیکن آپ کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی آنکھ اٹھا کر انہیں دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ بتوں کے استھانوں پر چڑھائے ہوئے جانور کے گوشت کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا، بچپن میں آپ اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے، ایک مرتبہ اپنے ساتھی لڑکے سے کہا کہ تم میری بکریاں سنبھال لو میں ذرا دوسروں کی طرح قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کرلوں، ساتھی لڑکے نے کہا ٹھیک ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں ابھی قریب ہی پہونچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نیند طاری کردی، اور پھر سورج کی تمازت ہی نے مجھے بیدار کیا۔

ناظرین! اس کے سوا کوئی توجیہہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالی اور اس کی خفیہ ہدایت کی رہنمائی میں آپ کے قدم اٹھتے تھے۔ بدی سے نفرت نیک کاموں سے رغبت آپ کے پاکیزہ وجدان کا فطری اقتضاء تھا۔ اور آپ قبل بعثت بھی معصوم تھے ﷺ

آپ کو ساری دنیائے انسانیت کے لئے معلم اخلاق کی حیثیت سے مبعوث فرمایا تھا اس لئے پہلے آپ کو اخلاق حسنہ اور بلند کردار کا پیکر جمیل بنایا اور پھر منصب نبوت پر فائز کیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل قرار دیا، اور ارشاد فرمایا "اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ" یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ہر مذہب میں عبادت کے کچھ مخصوص طریقے ہوتے ہیں۔ جس سے دوسرے اہل مذاہب کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یونہی کچھ مخصوص معاشرتی وتہذیبی آداب ہوتے ہیں جیسے قانون وراثت، نکاح وطلاق کے ضابطے جنہیں آج کے محاورے میں پرسنل لاء کہا جاتا ہے۔ یہ دین کا ایک جزو ہے اس لئے کسی کو اس میں مداخلت کی اجازت نہیں۔ اسلام دوسرے اہل مذاہب کے پرسنل لاء میں مداخلت کی اجازت نہیں دیتا۔ اہل جرجان کو حذیفہ بن الیمان نے جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا اس کے کچھ الفاظ یہ ہیں "لَهُمُ الْاَمَانُ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ وَ مِلَلِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ وَلَا یُغَیِّرُ مِنْ شَیْءٍ مِنْ ذَالِكَ" انہیں امان ہے ان کی جانوں پر انکے مالوں پر، ان کے مذاہب پر اور ان کے شرائع پر اور اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہ کیا جائے گا **(طبری بحوالہ الفاروق)**

لیکن حسن اخلاق کا تعلق کسی ایک مذہبی طبقے سے نہیں بلکہ پوری دنیائے انسانیت اس کے دائرے میں ہے۔ امانت ودیانت، ایفائے عہد، عفو ودرگذر، حسن سلوک صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ہر مسلمان اس کا پابند ہے کہ روئے زمین پر جتنے انسان ہیں سب کے ساتھ حسن سلوک کی روش اختیار کی جائے۔ "صل من قطعك واعف عمن ظلمك واحسن الی من اساء الیك" جو تم سے قطع تعلق کرے اس کے ساتھ تم تعلق استوار کرو، جو تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تم اس پر احسان کرو۔ سیرت پاک کا مشہور واقعہ ہے "زید بن سعنہ نام کے ایک یہودی عالم کا

آپ پر قرض تھااورادائیگی کھجوروں کی شکل میں کرنی تھی اور ادائیگی کی تاریخ متعین تھی مگر زید وقت سے کافی پہلے آگئے اور بڑے درشت لب ولہجہ میں مطالبہ شروع کیا۔ کہنے لگے بنی عبدالمطلب کے لوگ قرض لےکرادائیگی میں تاخیر کے عادی ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ائذن لسی یا رسول اللہ ﷺ اضرب عنقہ: یارسول اللہ اجازت دیجیئے اس گستاخ کی گردن اڑادوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''عمر تمہیں چاہیئے کہ بہتر مشورہ مجھے بھی دواور زید کو بھی'' زید کے لئے بہتر مشورہ یہ ہے کہ اس سے کہو کہ قرض کے تقاضے میں سختی نہیں کرنی چاہیئے اور میرے لئے تمہارا بہتر مشورہ یہ ہے کہ مجھ سے کہو کہ قرض وقت سے پہلے ہی ادا کردیا جائے یہ زیادہ اچھا ہے پھر فرمایا عمر جاؤ قرض کی ادیگی کا بھی انتظام کرواور زید کو دس صاع کھجوریں زائد دیدو۔ زید نے پوچھا عمر! یہ دس صاع کھجوریں زائد تمہارے نبی کیوں دلا رہے ہیں؟ فاروق اعظم نے فرمایا کہ زید تمہاری گستاخیوں کے جواب میں تم کو میں نے سخت بات کہہ دی تھی اسی کا یہ کفارہ ہے'' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں ان کی رحمت کو گوارہ نہیں کہ کسی کے دل کو ٹھیس پہونچے یعنی تمہاری دلدہی کے لئے دس صاع کھجوریں مزید دی جارہی ہیں۔ زید بن سعنہ کہنے لگے عمر! میں یہودیوں کا بہت بڑا عالم ہوں خدا گواہ ہے''جب میں تمہارے نبی سے گستاخانہ لب ولہجہ میں بات کررہا تھا اس وقت بھی میرا دل شائبہ گستاخی سے یکسر پاک تھا۔ بات دراصل یہ ہیکہ میں نے آسمانی کتابوں میں پڑھا تھا کہ دنیا کے نجات دہندہ پیغمبر آخرالزماں کی شان یہ ہوگی کہ لوگ انہیں گالیاں دیں گے اور آپ ان کو دعائیں دیں گے، لوگ گستاخیاں کریں گے اور آپ ان پر محبت ورحمت کے پھول برسائیں گے۔ عمر! جو کچھ میں نے پڑھا تھا وہ سب کچھ میں نے دیکھ لیا گواہ رہنا''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' صبر وضبط عفوو بخشش کی یہ وہ اعلیٰ مثال ہے کہ دوسرے معلمین اخلاق میں اس کی جھلک بھی آپ کو نظر نہ آئے گی''وانک لعلی خلق عظیم'' آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

قارئین! اب میں اپ کے سامنے وہ احادیث کریمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل

کر رہا ہوں جن سے آپ اچھی طرح سمجھ سکیں گے کہ اسلام میں اخلاق حسنہ کی اہمیت کیا ہے۔

عَنْ عَمر و بن عبسة رضی الله عنه قالَ اقلت ماالاسلام ؟قال طیب الکلام واطعام الطعام قلت:ماالایمان ؟قال الصبر والسماحة قلت:ای الاسلام افضل قال!من سلم المسلون من لسانه ویده قلت :ای الایمان افضل ؟قال احسنهم خلقاً

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: پسندیدہ گفتگو اور لوگوں کو کھانا کھلانا، میں نے کہا ایمان کیا ہے؟ فرمایا: صبر اور درگذر کرنا پھر میں نے عرض کیا افضل اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اس کا ایمان سب سے افضل ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا افضل ایمان کیا ہے؟ آپنے فرمایا لوگوں میں خلق حسن کے لحاظ سے جو سب سے بہتر ہے (مسند بن حنبل)

طبرانی کی روایت ہے کہ کسی نے پوچھامن احب عباد الی الله قال احسنهم خلقاً ۔ایک صحیح حدیث ہے''الخلق الحسن یذهب السیأت کما یذهب الماء الجلید والخلق السوء یفسد العمل کما یفسد الخل العسل''،خلق حسن گناہوں کواس طرح دور کرتا ہے جیسے پانی برف بہالے جاتا ہے۔اور برا اخلاق انسان کے عمل کواس طرح فاسد کردیتا ہے جیسے سرکہ شہد کوفاسد کردیتا ہے۔

انسانی زندگی میں اخلاق کو کیا مرتبہ حاصل ہے اس بارے میں ارشاد رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرمائیں''قال النبی ﷺ :الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله او کالذی یقوم اللیل ویصوم النهار (متفق علیه) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیوگان اور مسکینوں کی راحت کے لئے کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کے مثل ہے جو رات کو اللہ کی عبادت میں کھڑا رہتا ہے اور دن کو روزے رکھتا ہے(بحواله الخلق المسلم) صحیح بخاری کی ایک حدیث پڑھئے ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ

نے فرمایا واللہ لا یؤمن واللہ لایؤمن قالوا من یا رسول اللہ قال :الذی لایأمن جارہ بوائقہ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کون شخص ہے آپ نے فرمایا وہ شخص جس کے شر سے ہمسایہ مامون ومحفوظ نہ رہے خلق حسن کی اہمیت کا اندازہ کیجئے کہ اس کے بغیر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک ایمان معتبر نہیں۔

میں ایک حدیث اور پیش کرر ہاہوں جس سے صرف اخلاق حسنہ کی اہمیت ہی واضح نہ ہوگی بلکہ آپ یہ بھی سمجھ جائیں گے کہ اخلاق کا مفہوم کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قال :قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَتُحبُّ اَن اُخبِرُکَ بِصَرِیح الایمان .قال نعم:اذا اسأت او ظلمت احداعبدک او امتک او احدامن النّاس حزنت وَسائک ذلک و اذا تصدقت او احسنت استبشرت وسر ک ذلک ◻ مختصر لفظوں میں بھی یہ حدیث ہے ''من سرتہ حسنتہ وساء تہ سیئتہ فھو مؤمن '' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں بتادوں کہ ایمان خالص کیا ہے؟ عرض کی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ آپ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی برائی سرزد ہوجائے یا تم کسی پر ظلم کر بیٹھو اپنے غلام پر یا اپنی باندی پر یا کسی مسلمان پر تو تم خود غمگین ومحزون ہو جاؤ اور تم کو وہ برا معلوم ہو۔اور جب تم صدقہ کرو یا کسی پر کوئی احسان کرو تو تمہارا دل باغ باغ ہوجائے تو اسی مؤمن کا ایمان خالص وکامل ہے۔دوسری حدیث کا ترجمہ ''جس کی نیکی اسے خوش کردے اور اس کی برائی اسے بری لگے تو وہ مؤمن ہے''یعنی جب کسی کو بدی سے طبعاً نفرت ہوجائے اور نیکی اسے طبعاً مرغوب ہوجائے تو وہ مؤمن کامل ہے۔اور اسی کا نام خلق حسن ہے پروردگار عالم نے اپنے بندوں پر جتنی عبادات فرض کی ہے ان میں سب سے زیادہ قلب ونظر کی طہارت، اخلاق وکردار کی درستگی ہے جو عبادات اخلاق حسنہ سے عاری ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے''یقول :قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا

رسول الله ﷺ ان فلانة تقوم الليل وتصوم النهار وتفعل وتصدق وتؤذی جیرانها بلسانها فقال رسول الله ﷺ لا خير فيها هی من اهل النار ،قالوا وفلانة تصلی المکتوبة وتصدق باثواب ولاتؤذی احداًفقال رسول الله ﷺ هی من اهل الجنة" (الادب المفرد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا ۔یارسول اللہ ﷺ فلاں عورت رات بھر نمازیں پڑھتی ہے اور دن میں ہمیشہ روزے رکھتی ہے اور بھی اچھے کام کرتی ہے صدقہ بھی کرتی ہے مگر اپنی زبان سے ہمسایہ کو اذیت بھی پہونچاتی ہے ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں کوئی بھلائی نہیں وہ اہل نار سے ہے اور لوگوں نے کہا فلاں عورت فرض نمازیں ادا کرتی ہے اور کپڑوں کا صدقہ بھی کرتی ہے اور کسی کو اذیت نہیں پہونچاتی آپ نے فرمایا وہ اہل جنت سے ہے۔

امام بخاری سے مروی ایک اور حدیث "انما اتقبل الصلوة ممن تواضع لعظمتی ولم يستطع على خلقی ولَمْ يَبِتْ مُصِراًعلی معصیتی وقطع النهار فی ذکری ورحم المساكين وابن السبيل والاَرمَلة ورحم الصائب" میں صرف اسکی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کی وجہ سے تواضع وانکساری کی روش اختیار کرتا ہے اور میری مخلوق پر اپنی بڑائی نہیں جتاتا اور میری معصیت پر اڑا نہیں رہتا اور دن میری یاد میں گذارتا ہے اور مسکینوں مسافروں بیواؤں، مصیبت زدوں پر رحم کرتا ہے اس حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ اخلاق حسنہ کے بغیر کوئی نماز درجۂ قبولیت تک نہیں پہونچ سکتی ۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نماز فرض کی تو حکمت بھی بتادی "ان الصلوة تنهیٰ عن الفحشاء والمنکر" بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

اسلام کا ایک فریضہ روزہ رکھنا ہے ۔روزے کی فرضیت کا مقصد قلب وروح کی پاکیزگی تقویٰ وپرہیزگاری ہے "کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم

تتقون "تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم میں تقوی پیدا ہو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے حکیمانہ ارشادات کی ذریعہ اس کی وضاحت فرمائی ہے بخاری شریف کی حدیث ہے" من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه " جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ روزہ دار اپنا کھانا، پینا ترک کردے صرف کھانے، پینے سے رک جانا روزہ نہیں ہے بلکہ بری باتوں اور بدکاریوں سے رک جانے کا نام ہے ایک اور حدیث ہے" من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه لیس الصیام من الاکل والشرب انما الصیام من اللغو والرفث فَاِن سابّکَ احدٌ اَوجَهلَ علیك فقل انی صائمٌ" صرف کھانے، پینے سے رک جانے کا نام روزہ نہیں ہے بلکہ لغو وفحش باتوں سے رک جانے کا نام روزہ ہے اگر روزہ کی حالت میں تم کو کوئی گالی دے یا جھگڑا کرے تو کہہ دو میں روزے سے ہوں۔

زکوۃ کی فرضیت میں کیا حکمت کارفرما ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کی لا تکون دُولةً بین الاغنیاء منکم" تا کہ دولت چند مالداروں کے گرد گھوم پھر کر نہ رہ جائے۔ آج کی دنیا میں یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ دولت کا چند مخصوص طبقے میں سمٹ کر رہ جانا قوم وملک کے لئے تباہ کن ہے عام خوشحالی کے لئے ضروری ہے کہ دولت زیادہ سے زیادہ گردش میں رہے۔ زکوۃ کی فرضیت کا ایک عظیم مقصد گداز قلب پیدا کرنا ہے اس سے معاشرہ کے مختلف طبقات کے خوشگوار تعلقات استوار ہوتے ہیں۔ دلوں میں محبت ورحمت کے پاکیزہ جذبات پیدا ہوتے ہیں قرآن نے اس کی حکمت اس طرح بیان کی ہے" خُذْ مِن اَموَالِهِم صدقةً تُطَهِّرُ هُمْ وتُزَكّهم بِهَا "اے نبی تم ان کے اموال سے صدقہ زکوۃ لو تا کہ وہ انہیں پاک کرے اور ان کے دلوں سے دنیاوی غلاظت کو دور کرے۔

حج! جو اسلام کے بنیادی ارکان میں ایک اہم رکن ہے یہ محض ایک ایسی عبادت نہیں ہے کہ جس کا اخلاق وکردار سے تعلق نہ ہو بلکہ یہ تقوی وپاکی نفس کا اہم ذریعہ ہے ارشاد ربانی ہے "اَلحَجُّ اَشهرٌ مَعلُوماتٌ فَمَن فَرَضَ فِیهِنَّ الحَجَّ فلا رفث وَلَا فُسوق وَلَا جدال

فی الحج وماتفعلوا من خیر یعلمہ اللہ وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ واتقون یااولی الالباب '' [یعنی حج کے مہینے معلوم ہیں جو شخص ان معینہ مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے خبردار رہنا چاہیئے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی حرکت یا کوئی بدعملی اور لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوگا۔ حج کے لئے زادراہ لے جاؤ اور سب سے بہتر زادراہ پرہیزگاری ہے۔ لہذا اے دانشمندو! میری نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ حج انسانی مساوات کا پیغام اور عالمی اتحاد ویکجہتی کا ذریعہ بھی ہے نماز میں مساوات کا منظر پنجوقتہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ جس کی علامہ اقبال نے اپنے اشعار کے ذریعہ بڑی خوبصورت منظر کشی کی ہے

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز — قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قوم حجاز

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے — تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

اس میں کوئی شبہہ نہیں کی معاشرے میں امیر وغریب، مزدور وسرمایہ دار کے درمیان چاہے کوئی فرق پیدا ہو گیا ہو لیکن حالت نماز میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہ جاتا بلکہ بسا اوقات حالت سجدہ میں جہاں مزدور کا پاؤں ہوتا ہے ٹھیک اسی کے پیچھے ایک سرمایہ دار کا سر ہوتا ہے لیکن نماز میں لباس کا امتیاز باقی رہ جاتا ہے ۔ایام حج میں ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب لباس کا بھی فرق نہیں رہ جاتا حالت احرام میں شاہ وگدا کا لباس بھی یکساں ہوتا ہے اور سب کی زبانوں پر لبیک اللھم لبیک کی صدا بلند ہوتی ہے،

ایام حج میں تمام دنیا کے مسلمان ایک جگہ مجتمع ہوتے ہیں۔ باہم ایک دوسرے سے متعارف ہونے کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں ہو سکتا، حج تمام دنیا کے مسلمانوں کو محبت واخوت اتحاد ویکجہتی کا زریں موقع فراہم کرتا ہے خدا کرے مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں ۔ بہرحال نماز روزہ، حج، زکوٰۃ تمام عبادات کی فرضیت میں اخلاق وکردار کی درستگی ملحوظ ہے اور یہی تمام عبادات کی روح اور یہی مقصد بعثت رسول ہے۔

غور کیجئے! یہ چار عبادتیں جو ہم پر فرض کی گئی ہیں یہ اپنی شکل وصورت میں ایک دوسرے سے

بالکل مختلف ہیں لیکن سب کا مقصود ایک ہے۔وہ اخلاق وکردار کی درستگی ہے جسے پیغمبر اسلام روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مقصد بعثت قرار دیا ہے۔اور یہ تزکیہ نفس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اللہ کے رسول کا ارشاد ہے''ألا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسدالجسد کله ألا وھی القَلبُ'' آگاہ رہو بے شک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ صالح وصحتمند رہتا ہے تو سارا جسم صالح رہتا ہے۔اور جب وہ فاسد ہوجاتا ہے تو پورا جسم فاسد ہوجاتا ہے آگاہ رہو وہ قلب ہے،تمام اعضاء وجوارح کو دل ہی خون پہونچاتا ہے اس لئے اگر دل میں فساد پیدا ہوجائے تو لازمی طور پر فساد تمام جسم میں پھیل جائے گا

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح دل کی صلاح وفساد پر جسم کی صلاح وفساد موقوف ہے اسی طرح روحانی فساد جیسے حرص وہوا،بغض وکینہ وغیرہ سے دل پاک ہو تو اعضاء وجوارح (ہاتھ،پاؤں،آنکھ،زبان) سے صالح ونیک اعمال وجود میں آئیں گے اور اگر دل میں فساد ہے تو اعضاء وجوارح سے برے اعمال ہی سرزد ہوں گے۔ہاتھ کمزوروں کو سہارا دینے کے بجائے ظلم کے لئے اٹھیں گے،پاؤں مسجدوں کی طرف نہیں سینما ہال کی طرف بڑھیں گے،زبان تلاوت قرآن کے بجائے فحش گانے گائیں گی۔

انسانی جسم میں دل بادشاہ ہے اور ہمارے اعضاء وجوارح اس کے کارندے ہیں۔اور ایسے مطیع وفرمانبردار کارندے کی قلب کے احکام کی تعمیل میں ایک لمحہ کی تاخیر نہیں کرسکتے،دل نے کہا بولو تو زبان کی مجال نہیں کہ وہ خاموش رہ جائے،قلب کا حکم ہو تو ہاتھ،پاؤں کی مجال نہیں کہ حرکت میں نہ آئیں۔

الغرض!قلب وروح کے صلاح وفساد پر انسانی اعمال کے نیک وبد ہونے کا انحصار ہے اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے تزکیہ نفس کیا جائے۔اسی پر دنیا وآخرت کی فلاح وبہبود منحصر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے''وَنَفسٍ وَّمَا سَوَّاھَا فَاَلھَمَھَا فُجُورَھَا وَتَقوَاھَا قَد اَفلَحَ

مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا'' قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی پھر سمجھ دی اس کو بدکاری کی اور بچ کر چلنے کی جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔

مال واولاد سے جو انسان کو راحت ملتی ہے وہ دنیاوی زندگی تک محدود ہے روز جزا ان میں کسی سے تم کو فائدہ پہونچنے والا نہیں ہے۔ آخرت میں انسان کے لئے نفع بخش صرف قلب سلیم ہے یعنی ایسا دل جو کفر و شرک، بغض و کینہ، حرص وحسد سے پاک ومنزہ ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے ''يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعراء آیت ۸۹) اس دن (یوم آخرت) مال واولاد تم کو نفع نہ پہونچائیں گے لیکن وہ جو بارگاہ الٰہی میں قلب سلیم لے کر حاضر ہوا وہ ہی فائدہ میں رہے گا اللہ تعالیٰ کے صالح بندے جو اپنے پہلو میں قلب سلیم رکھتے ہیں وہ ہر عمل سے پہلے دیکھ لیتے ہیں کہ یہ طاعت ہے یا معصیت۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں میں نے آنکھوں سے کوئی چیز دیکھی نہ زبان سے کوئی گفتگو کی نہ ہاتھ سے کچھ پکڑا نہ پاؤں پر کھڑا ہوا۔ جب تک میں نے دیکھ نہیں لیا کہ یہ میرا عمل طاعت پر ہے یا معصیت پر اگر طاعت پر ہے تو عمل کے لئے قدم بڑھاتا ہوں ورنہ رک جاتا ہوں۔

قلب سلیم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ اس کی دعا اللہ کے رسول ﷺ کرتے تھے ''اللھم انی اسئلک قلبا سلیما '' اے اللہ میں تجھ سے قلب سلیم کا سوال کرتا ہوں۔

قارئین! قلب میں اگر کوئی بیماری پیدا ہو جائے، رگیں سوکھ رہی ہوں اس کی حرکات میں ربط وتوازن باقی نہ رہے تو فوراً کسی ماہر ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کیونکہ قلب کی حرکت ہی پر موت وزیست کا انحصار ہے حرکت قلب جہاں بند ہوئی پورا جسم مردہ ہو گیا۔ یہ موت وحیات وہ ہے جس کا تعلق حرکت قلب سے ہے۔ قلب کے لئے ایک اور زندگی اور ایک موت ہے جس کا حرکت قلب سے کوئی تعلق نہیں دل سینہ کے اندر دھڑکتا ہے خون رگوں کی ذریعہ سارے جسم میں دوڑ رہا ہوتا ہے لیکن انسان مرجاتا ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے ''اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا

يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كمن مثله في الظلمات ليس بخارجٍ منها كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کردیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دیا کہ وہ اس کو لئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا۔ اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال خوشنما معلوم ہوا کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ایک وہ کہ کفر کے بعد ایمان لے آیا دوسرا وہ جس نے ایمان قبول نہ کیا بدستور کفر وعناد پر قائم رہا پہلے شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"أَوَ مَن كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَ جَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ" دوسرے کے لئے ارشاد ہے"لَيس بِخَارِجٍ منهَا" العقیدۃ الطحاویہ کے شارح اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں [أيْ كَانَ مَيتاً بِالكُفر فَأحيينَاهُ بِالايمَانِ] یعنی کفر کے سبب سے وہ مردہ تھا پھر ہم نے اسے ایمان کے ذریعہ زندہ کردیا۔ جسمانی طور پر تو پہلے بھی زندہ تھا لیکن قلب مردہ، روح بے جان تھی ایمان نے اس کے قلب وروح کو زندگی بخش دی، اللہ کے رسول ﷺ، ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ابولہب وغیرھم معاندین اسلام کو بار بار ہدایت کے لئے پکارتے لیکن ان بدنصیبوں نے ہمیشہ انکار کیا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں پروردگار عالم نے اپنے رسول کو آگاہ کیا"اِنك لا تسمع الموتىٰ و لا تُسمع الصُمَّ الدعاء" یہ مردہ ہیں آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، یہ گونگے بہرے ہیں، آپ گونگے بہرے کو نہیں سنا سکتے۔

یہ مشرکین چلتے پھرتے تھے گستاخیاں کرتے تھے، یقیناً ان کے جسم وبدن زندہ تھے لیکن ان کے قلب مردہ تھے، ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے لهم قلوبٌ لايفقهونَ بِهَا ولهم أعينٌ لايبصرون بِهَا وَلَهُم آذانٌ لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم أضل "ان کے دل ہیں لیکن سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہیں، آنکھیں ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے، کان ہے مگر اس سے سنتے نہیں [اس سے مراد سماع برائے قبول ہے] یہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہوا کہ جو لوگ توحید وآخرت پر ایمان نہیں

رکھتے وہ جانوروں کی طرح ہیں بایں معنیٰ کہ دونوں کا مقصود حیات ایک ہے، کھانا، پینا، توالد و تناسل، یعنی بہیمی خواہشات کی تکمیل اور بس! اس اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے مثل ہیں اور جانوروں سے زیادہ گمراہ اس لئے ہیں کہ جانور اپنے مالک اور چرواہے کی زبان تو نہیں سمجھ سکتے لیکن ان کے مالک جس راستہ پر انہیں چلاتے ہیں وہ اسی راستے پر چلتے ہیں، لیکن صد حیف کہ ان کا ہادی ورہبر انتہائی پرسوز آواز میں پکارتا رہا، نادانو! کہاں بھٹکے جارہے ہو؟ یہ ہلاکت وتباہی کا راستہ ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ آؤ میں تمہیں راہ حق دکھارہا ہوں، آؤ میرے پیچھے آؤ میں تمہیں منزل مقصود تک پہونچا دوں گا، لیکن یہ سرکش معاندین امن وسلامتی کی راہ پر چلنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے ''اولئک کالانعام بل ھم اضل'' یہ سرکش متمرد مشرکین جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قلب کی زندگی ہی انسان کی حقیقی زندگی ہے اس پر دنیا وآخرت کی کامیابی اور کامرانی کا انحصار ہے۔ دل اگر زندہ نہ رہے تو پھر کوئی رونق حیات نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

جسم وبدن کی زندگی کے علاوہ قلب وروح کی زندگی کا میں نے پچھلے صفحات میں کئی جگہ تذکرہ کیا ہے اب آخر میں قلب وروح کی زندگی سے متعلق حافظ الحدیث حضرت علامہ ابن قیم علیہ الرحمۃ کے تحقیقی مقالے سے ایک اقتباس قارئین کے سامنے پیش کررہا ہوں مجھے یقین ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد کوئی تشنگی باقی نہ رہ جائے گی۔ علامہ اپنی مشہور کتاب ''امثال القرآن'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث کی وضاحت فرماتے ہیں [قال: ان اللہ خلق خلقہ فی الظلمۃ والقیٰ علیھم نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اھتدیٰ ومن اخطأ ضل] نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا اور اس پر اپنا نور ڈالا تو جسے اس نور سے کچھ پہونچا وہ ہدایت یاب ہوگیا اور جس سے خطا کر گیا یعنی اس نور سے استفادہ نہیں کیا وہ گم کردۂ راہ ہوا۔ علامہ موصوف کچھ اور گفتگو کے بعد تحریر فرماتے ہیں [فھی حیاتان حیاۃ البدن

بالروح وحياة الروح والقلب بالنور ولهذا سمى الله الوحى روحالتوقف الحياة الحقيقية عليه كمال قال تعالى]ترجمہ: تو یہ دو طرح کی زندگی ہے ایک تو بدن کی زندگی روح کے ذریعہ، دوسری قلب وروح کی زندگی نور کے ذریعہ اسی بنا پر اللہ عزوجل نے وحی کو روح سے موسوم کیا ہے کیونکہ حقیقی زندگی اسی پر موقوف ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔'' وينزل الملائكة بالروح من امره علىٰ من نشاء من عباده ''ترجمہ: وہی فرشتوں کو اپنی وحی دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے۔'' وقال: ويُلقي الروح من امره على من يشاء من عبادهٖ'' اور فرمایا اور القاء فرماتا ہے اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔'' وقال :وكذلك أوحينا اليك روحاًمن امرنا ما كنت تدرى ما الكتاب ولاالايمان ولكن جعلناه نوراًنهدى به من يشاء من عبادنا ''ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے ،اس سے پہلے نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ (تفصیلا) جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہے ..... ان آیات قرآنیہ کے نقل کرنے کے بعد علامہ بن قیم تحریر فرماتے ہیں "فجعل وَحيَهٗ روحاًونوراًفمن لم يُحيه بهذالروح فهو ميتٌ ومن لم يجعل له نوراً منه فهو فى الظلمات ماله من نور ''یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کو روح اور نور فرمایا ہے لھذا جس کو زندگی نہیں بخشی اس روح سے تو وہ مردہ ہے۔اور وہ کہ جس کے لئے نور نہیں بنایا تو وہ ہمیشہ تاریکیوں میں ہے اس کے لئے کوئی روشنی نہیں۔

ناظرین! قلب کیلئے جیسے موت وحیات ہے ویسے ہی اس کے لئے صحت ومرض بھی ہے ۔علاج وشفا بھی ہے۔....... موت وحیات کے بارے میں کافی گفتگو ہو چکی ہے اب آیئے دیکھتے ہیں کہ امراض قلب کیا ہیں اور ان کا علاج کیا ہے صحت مند قلب کی علامت یہ ہے کہ نیک اعمال کی طرف وہ طبعاً مائل ہوتا ہے اور گر اسکے سامنے کوئی گندہ اور فحش منظر پیش آتا ہے تو فوراً منھ پھیر لیتا ہے اور اپنے اندر اذیت محسوس کرتا ہے۔اس کے برعکس قلب بیمار بڑی آسانی کے ساتھ منکرات وفواحش کی طرف راغب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک بیمار شخص مفید اور نافع غذاؤں کے بجائے مضر اور نقصان دہ اشیاء کی

خواہش کرتا ہے۔ بیمار قلب وروح کی یہ بڑی واضح علامت ہے۔ اس معیار پر جب ہم مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ آج کا مسلمان بالعموم غیر شرعی طور طریقے بڑی تیزی کے ساتھ اپنا تا جا رہا ہے۔ اپنی عورتوں کو مغربی طرز کے لباس میں دیکھنا پسند کرتا ہے۔ حالانکہ نیم عریاں لباس صرف اسلامی تہذیب کے خلاف ہی نہیں ہے بلکہ مشرقی مزاج کے بھی منافی ہے۔ شادی، بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں روز بروز غیر شرعی رسوم کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کیا ان منکرات کی طرف میلان طبع اس بات کا غماز نہیں ہے کہ عمومی طور پر مسلمانوں کے قلوب زندہ تو ہیں، کیونکہ توحید وآخرت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن صحتمند وتوانا نہیں ہیں بلکہ بیمار وکمزور ہیں... حرص وحسد، بغض وکینہ، نفرت وعداوت جیسی مہلک بیماریوں نے ہمارے دلوں کو بری طرح جکڑ رکھا ہے یہی بنیادی سبب ہے ہماری تمام ناکامیوں اور محرومیوں کا۔ دنیا میں بہت بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود ہر جگہ ہماری پسپائی اور عزت ووقار سے محرومی کا واحد سبب اخلاق وکردار کی گراوٹ ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

سبب کچھ اور ہے تو خود جسے سمجھتا ہے

زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

اور ایک دوسرے شعر میں علامہ مرض کی تشخیص کے ساتھ اس کا علاج بتا رہے ہیں

وہی دیرینہ بیماری وہی ناپختگی دل کی

علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

اس دور میں انسانی دلوں کو جو بیماریاں لاحق ہیں اس کا علاج امراض قلب کے کسی ماہر ڈاکٹر سے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ قلب وروح کے ہلاکت خیز جراثیم انکے آلات کی گرفت میں نہیں آسکتے اس کا علاج صرف قرآن ہے۔ قرآن جس طرح مردہ دلوں کو حیات نو بخشتا ہے ویسا ہی وہ قلب وروح کے لئے نسخۂ شفا بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَيُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا" یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت

ہے ہاں! ظالموں کو بجز نقصان کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔" یایها الناس قد جائتکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور ورحمة للمؤمنین "اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے۔ اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کیلئے شفاء ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے ، یعنی جو قرآن کو دل کی توجہ سے پڑھے اور اس کے معانی مطالب پر غور کرے اس کے لئے قرآن نصیحت ہے۔ وعظ کے اصل معنی ہیں عواقب اور نتائج کی یاد دہانی۔ چاہے ترغیب کے ذریعہ ہو یا ترہیب سے اور واعظ کی مثال طبیب کی طرح ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم وصحت کے لئے نقصان دہ ہوں۔ اسی طرح قرآن بھی ترغیب وترہیب دونوں طریقوں سے وعظ ونصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دوچار ہونا پڑے گا۔ اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے انسان کی اخروی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔

یعنی دلوں میں توحید ورسالت اور عقائد حقہ کے بارے میں جو شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا ازالہ اور کفر ونفاق کی جو گندگی وپلیدی ہوتی ہے اس سے صاف کرتا ہے۔ یہ قرآن مؤمنوں کے لئے ہدایت ورحمت کا ذریعہ ہے ویسے تو قرآن سارے جہان والوں کے لئے ہدایت ورحمت کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ اس سے فیضیاب صرف اہل ایمان ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں انہیں کے لئے اسے ہدایت ورحمت قرار دیا گیا۔ علامہ سہیل صاحب کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں

وہ حاذق جس کا تنہا نسخۂ تنزیل فرقانی

دوائے جملہ علتہائے اخلاقی وروحانی

یہی قرآن عظیم ہے۔ جس نے تہذیب وتمدن سے ناآشنا وحشی قبائل کو حسن اخلاق کا پیکر بنا دیا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ اخلاق حسنہ کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی عبادت مقبول ہو سکتی ہے۔ اس بارے میں کچھ حدیثیں گذر چکی ہیں یہاں میں ایک اور جامع حدیث پیش کر رہا ہوں جسے حافظ ابن رجب علیہ الرحمۃ نے جامع العلوم والحکم میں نقل کیا ہے" عن

ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال:من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراًاولیصمت ،من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم جارہ ،ومن کان یؤمن باللہ وبالیوم الآخر فلیکرم ضیفہٗ"(رواہ البخاری ومسلم)
جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے،اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اپنے ہمسایہ کا احترام کرے،بعض روایتوں میں (فلیحسن الی جارہ) ہے چاہیئے کہ وہ اپنے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرے.........اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اچھی بات کہنا یا پھر خاموش رہنا اور ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرنا ایمان کا اقتضا ہے۔اگر ان امور میں کمی رہی تو یہ ایمان کی کمزوری کی دلیل ہوگی اگر ایمان کامل ہے تو لازمی طور پر بندہ اپنی زبان سے کوئی برا کلمہ ادا نہیں کرے گا،یونہی وہ اپنے ہمسایہ کو ہرگز اذیت نہیں پہونچائے گا۔اور اپنے مہمان کی آمد پر کبھی دل گرفتہ نہ ہوگا۔بلکہ عزت واحترام کے ساتھ اسے اپنے گھر میں جگہ دے گا۔زبان کو لغو اور بری باتوں سے بچانا کتنا ضروری ہے اس کے بارے میں طبرانی کی حدیث ملاحظہ کیجئے۔

طبرانی نے اسلم بن اسود محاربی کی حدیث روایت کی ہے "قال:قلت یارسول اللہ ﷺ اَوصِنِی قال ھل تملک لسانک؟قلت مَا اَملِکُ اذا لم اَملِک لسانی؟قال فھل تملک یدک؟قلت :فما اَملک اذا لم املک یَدی؟قال فلا تقل بلِسَانِکَ الامعروفاًولاتبسُط یدک الا الیٰ خیر "حضرت اسلم بن اسود محاربی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے وصیت فرمایئے۔آپ نے دریافت فرمایا تم اپنی زبان کے مالک ہو؟ میں نے کہا اگر میں اپنی زبان کا مالک نہ ہوں گا تو پھر کس چیز کا مالک ہوں گا،پھر آپ نے فرمایا کیا تم اپنے ہاتھ کے مالک ہو؟ میں نے عرض کیا اگر میں اپنے کا ہاتھ مالک نہ ہوں گا تو پھر کس چیز کا مالک ہوں گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا تو پھر اپنی زبان سے نیک باتوں کے سوا کچھ نہ کہو اور اپنے ہاتھ کو کار خیر کے علاوہ کسی طرف نہ بڑھاؤ۔"وَقَد وَرَدَ اَنَّ استِقَامَۃَ اللّسَانِ مِن خِصالِ الِایمَانِ"(کما

فی المسند) حدیثوں میں آیا ہیکہ زبان کی استقامت ایمان کی خصلت ہے۔جیسا کہ مسند میں ہے۔

عَن انس رضی الله عنه عَنِ النبی ﷺ قال:لَا یستَقِیم اِیمَانُ عَبدٍحتّیٰ یَستَقِیم قَلبهٗ وَلَا یستَقِیم قلبهٗ حَتّیٰ یَستقِیم لسانهٗ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کسی بندے کا ایمان مستقیم نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کا قلب مستقیم ہوجائے اور اس کا قلب مستقیم نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی زبان مستقیم ہوجائے۔(بحوالہ جامع العلوم والحکم)

حدیث کے پہلے جز[من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیقل خیراًاَو لِیَصمُت] کی تشریح کے بعد دوسرے جز[من کان یؤمن بالله وبالیوم الآخر فلیُکرِم جَارَهٗ] سے معلوم ہوتا ہے جو کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ہمسایہ کا احترام کرے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

ناظرین!ہمسایہ کے ساتھ خوشگوار تعلق ،اچھا برتاؤ،اجتماعیت وتمدن کا اہم ترین جزو ہے۔گھر سے باہر سب سے پہلے اپنے پڑوسی ہی سے سابقہ پڑتا ہے۔اگر کوئی اپنے ہمسایہ کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوتا،اس کی پریشانی دور کرنے میں تعاون نہیں کرتا تو دور دراز رہنے والوں کے ساتھ اس سے کسی حسن سلوک کی امید کیسے کی جاسکتی ہے........اسلام نے ہمسایہ کے حقوق کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں اس کی نظیر آپکو کسی دوسرے مذاہب میں ملے گی نہ علمائے اخلاقیات کی ضخیم کتابوں میں۔الادب المفرد میں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے''مَا زَالَ جِبرَئیل علیه السلام یُوصِینِی بالجَارِحَتّیٰ ظَنَنتُ اَنَّهٗ سَیُوَرِّثُهٗ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمیشہ ہمسایہ کے بارے میں وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ ہمسایہ کو وراثت میں شریک کردیں گے۔

حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے گھر ایک بکری ذبح کی گئی آپ نے اپنے غلام سے فرمایا۔ہمارے یہودی ہمسایہ کو بھیجنا،حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو بار بار تاکید فرماتے تھے''لا تنس جارنا الیهُودِی ''ہمارے یہودی پڑوسی کو بھول نہ

جانا۔

اسلام ہمسایہ کے حقوق کے بارے میں مسلم غیر مسلم کے درمیان تفریق نہیں کرتا۔اللہ کے رسول ﷺ نے ہمسایہ کی تین قسمیں بتائی ہیں۔مسند بزار میں حضرت جابر سے مرفوعاً مروی ہے۔

''الجیران ثلثة :جارله حق واحد وهو أدنى الجيران حقا ،وجار له حقان ، وجارله ثلاثة حقوق وهو افضل الجيران حقاً،فَامّا الذى لهٗ حقٌ واحِدٌ فجارٌ مشركٌ لَا رحم لهٗ لهٗ حق الجوار،فَامّا الذِى لهٗ حقان فجارٌ مسلمٌ لهٗ حق الاسلام وحق الجوار،فاما الذى لهٗ ثلاثة حقوق فَجَارٌ مسلمٌ ذورحم فله حق الاسلام وحق الجوار وحق الرحم ''اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہمسایہ تین قسم کے ہوتے ہیں،ایک ہمسایہ وہ جس کا ایک حق ہے،اور وہ تمام ہمسایہ میں باعتبار حق کے ادنیٰ درجے کا ہمسایہ ہے،دوسرا ہمسایہ وہ ہے۔جس کے دو حقوق ہیں۔تیسرا ہمسایہ وہ ہے جس کے تین حقوق ہیں اور وہ تمام ہمسایوں میں سب سے افضل ہمسایہ ہے،لیکن وہ کہ جس کا ایک حق ہے وہ ایسا مشرک ہمسایہ ہے،جس کے ساتھ کوئی قرابت ورشتہ داری نہیں ہے،دوسرا ہمسایہ وہ ہے جس کے دو حقوق ہیں تو وہ مسلمان پڑوسی ہے اس کے لئے اسلام کا حق ہے اور پڑوس کا حق ہے،تیسرا وہ ہمسایہ ہے،جو مسلمان بھی ہے اور قرابت دار بھی تو اس کے لئے ایک حق اسلام ہے دوسرا حق ہمسائیگی اور تیسرا حق قرابت۔

اگر صحیح اسلامی معاشرہ وجود میں آجائے تو کوئی بھوکا رہ سکتا ہے نہ کوئی بیمار علاج وتیمارداری سے محروم رہ سکتا ہے۔صحیح حدیث ہے''لیس المؤمن الذی یشبع جارہ وجارہ جائع (الادب المفرد)وہ مؤمن کامل نہیں جو شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

یادرکھئے!عام انسانی حقوق میں جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں مسلم وغیر مسلم کے درمیان تفریق نہیں ہے۔فاروق اعظم کی سیرت کا ایک مشہور واقعہ ہے:''آپ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک بوڑھا یہودی بھیک مانگ رہا ہے،آپ نے دریافت فرمایا،بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟اس نے کہا جزیہ ادا کرنے کے لئے۔آپ نے فرمایا یہ بڑی ناانصافی ہوگی کہ جوانی میں تم سے ہم نے جزیہ وصول کیا

اور بڑھاپے میں تم بھیک مانگتے پھرو، آپ اسے ساتھ لے گئے بیت المال سے اس کے لئے بڑھاپے کا وظیفہ مقرر کر دیا[من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیُحسِن الیٰ جارہٖ] جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرے'' دیکھئے اس حدیث میں مطلقاً ہمسایہ کا ذکر ہے اس میں مسلم ہمسایہ کی تخصیص نہیں ہے۔اس بارے میں حسن سلوک سے متعلق کچھ حدیثیں گزر چکی ہیں مزید کچھ نقل کر رہا ہوں، غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ اسلام کس بلند کردار کا مطالبہ کر رہا ہے۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: بازار سے اگر پھل لاؤ تو اپنے ہمسایہ کو اس میں سے ہدیہ کرو اور اتنی وسعت نہ ہو تو پھل کا چھلکا باہر نہ پھینکو'' اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے لڑکے کو پھل باہر نہ لے جانے دو تا کہ پڑوس کے بچوں کے دل رنجیدہ نہ ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے دو ہمسایہ ہیں کبھی کوئی چیز اتنی نہیں ہوتی کہ دونوں پڑوسیوں کو دے سکوں تو کس پڑوی کو ہدیہ کروں؟ ارشاد ہوا: جو ہمسایہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔ہمسایہ کے حقوق سے متعلق عطاء خراسانی کی حدیث میں تفصیلاً ذکر ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا جانتے ہو کہ ہمسایہ کے حقوق کیا ہیں؟ پھر مایا: وہ جب تم سے مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرو، بیمار ہو تو عیادت کرو، اگر اس کو بھلائی پہونچے تو مبارکباد کہو، مصیبت پہونچے تو تعزیت کرو، اگر مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ چلو۔

عیادت مریض سے متعلق امام بخاری علیہ الرحمۃ نے الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے'' عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: من أصبحَ اليَومَ مِنكُم صَائماً ؟قال ابو بكر أنا،قال من عَادَ منكم اليوم مريضاً ؟قال ابو بكر انا،قال من شهد منكم اليوم جنازةً؟قال ابو بكر أنا،قال من اطعم منكم اليوم مسكيناً؟قال ابو بكر أنا ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا کہ تم میں سے کس نے روزہ کی حالت میں صبح کی ہے؟ ابو بکر رضی اللہ نے کہا میں

نے ،آپ نے فرمایا تم میں سے کس نے آج کسی مریض کی عیادت کی ہے؟ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے ،آپ نے فرمایا: تم میں سے کون جنازہ کے ساتھ گیا؟ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں ،آپ نے دریافت فرمایا تم میں کس نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے ایک اور حدیث میں ہے کہ جس میں یہ چار خصلتیں مجتمع ہو جائیں وہ جنتی ہے۔

غیر مسلم کی عیادت کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں"باب عیادة المشرک:حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید عن ثابت عن أنس أن غلاما من الیهود كان یخدم النبی ﷺ فمرض فأتاه النبی ﷺ یعوده فقعد عند رأسه فقال اسلم فنظر الی ابیه فقال له أطع أباالقاسم ﷺ فاسلم فخرج نبی الله ﷺ وهو یقول :الحمد لله الذی انقذه من النار (الادب المفرد) حضرت انس سے مروی ہیکہ ایک یہودی کا لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا،وہ بیمار پڑ گیا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے سر کے پاس موجود تھا اس نے کہا کہ: بیٹے تم ابوالقاسم ﷺ کی اطاعت کرو تو اس نے اسلام قبول کرلیا اور پڑھا [لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ] پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا"الحمد للہ الذی انقذہ من النار" تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اس کو جہنم سے نجات دے دی۔

قارئین! پیغبر اسلام ﷺ نے ہمسایہ کے جو حقوق بتائے اور اس بارے میں جو ہدایات دی ہیں اگر مسلمان اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آسکتا ہے کہ جس میں کوئی شخص بھوکا، پیاسا ہوگا اور نہ کوئی بیمار دوا، علاج سے محروم ہوسکتا ہے۔آپ کا یہ فرمان 'لیس المؤمن الذی یشبع وجاره جائع ''پورے معاشرے کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ وہ معلوم کرے کہ کوئی نان شبینہ کا محتاج بھوکا پیاسا صبح کا انتظار تو نہیں کر رہا ہے۔کوئی مفلس ونادار غربت وافلاس کی بنا پر بغیر علاج اپنے بوسیدہ گھر میں تڑپ تو نہیں رہا ہے۔ اگر اس کے ہمسایہ نے اسکی مدد نہیں کی تو فرمان

رسول کے مطابق وہ سچا مسلمان نہیں رہا۔

لیکن افسوس کہ آج مسلمانوں میں وہی معاشرتی بیماریاں پیدا ہوگئی ہیں جو مادی تہذیب کا خاصہ ہے اگر کوئی غیر معمولی ترقی کر لیتا ہے تو اس کا زیادہ وقت کلبوں، فائف اسٹار ہوٹلوں میں گذرتا ہے۔ وہ اپنے بیوی بچوں سے بھی بہت کم تعلق رکھتا ہے ماں باپ کے قریب آنے کی کبھی زحمت نہیں کرتا بس رات کے خورد ونوش کا انتظام کر دیتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ میں ماں، باپ کے حقوق سے بری الذمہ ہوگیا۔ اسے احساس نہیں ہوتا کہ بڑھاپے میں ماں باپ کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہیکہ اولاد اس کی سامنے رہے۔ یہ بزعم خویش مہذب انسان تھوڑا وقت بھی اپنے ماں باپ کے لئے دیتا تو انہیں زیادہ خوشی اور سکون ملتا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اکبرالہٰ آبادی مرحوم نے کہا ہے

کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا

یہ تو اونچے اور مہذب طبقے کا حال ہے۔ اور درمیانہ درجہ کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ بیوی بچوں کے ساتھ ٹی، وی دیکھیں گے اور آرام دہ کمروں میں میٹھی نیند سو جائیں گے یہ خوشحال ہمسایہ کبھی نہیں سوچتے کہ کچے مکانوں میں رہنے والے کس مصیبت کی زندگی گذار رہے ہیں۔ معاشرہ کی یہی سرد مہری بسا اوقات پورے سماج کے لئے بلائے بے درماں بن جاتی ہے۔ ایک غریب خستہ حال مزدور ہزار کوششوں کے باوجود اپنی بیوی بچوں کی بھوک نہیں مٹا پاتا تو اس کی سوچ کا دھارا غلط سمت میں مڑ جاتا ہے۔ پھر وہ جیب تراش، نقب زن، چور یا خطرناک ڈاکو بن جاتا ہے۔

غور کیجئے! کیا وہ شخص جو پیدائشی مجرم نہیں تھا حالات کی ستم ظریفی اور دولت مند ہمسایوں کی بے توجہی نے اسے مجرم بنا دیا۔ تو اس کے بگاڑ کی ذمہ داری معاشرے پر عائد نہیں ہوتی؟ اگر اہل محلہ نے اس کی دست گیری کی ہوتی رسول خدا کی ہدایت کے مطابق اس کی مدد کی ہوتی تو وہ جائز کمائی کی لذت سے آشنا ہوتا پھر وہ غلط راہ پر ہرگز قدم نہ بڑھاتا۔ اگر آپ حالات کا ذرا گہرائی کیساتھ جائزہ لیں تو آپ محسوس کریں گے کہ عام طور پر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے حالات سے بالکل بیگانہ نظر آئیگا۔ حالانکہ اسلام نے ہر فرد کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ ہر شخص بوقت ضرورت دوسرے کی

مدد کرے۔ ابھی آپ کے سامنے حدیث گذر چکی ہے کہ اگر کوئی ہمسایہ مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرو۔ اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، یہ حق ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ لیکن آج آپ دیکھیں گے کہ دوسروں کی طرح مسلم سماج میں بھی کچھ لوگ دوسرے کے حقوق غصب کر لیتے ہیں اگر معاملہ عدالت تک جاتا ہے تو اپنے پیسے اور اثر رسوخ کی بنا پر کام وہی غاصب کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ معاملہ ایک روز سب سے بڑی عدالت میں پیش ہونے والا ہے جہاں دنیاوی عدالتوں کی طرح مال وزر کی پذیرائی ہوگی نہ کسی کا اثر رسوخ کام آئے گا۔ وہاں بندوں کے درمیان فیصلہ عدل وانصاف کی بنیاد پر ہوگا۔ اللہ کے رسول کی صحیح حدیث ہے" عن ابی هريرة رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ قال: لَتُؤدُنَّ الحُقُوقَ اِلىٰ اَهلِهَا يومَ القِيامَةِ حَتّىٰ يُقَادَللشَّاة الجَلحَاءِ مَن الشاةِ القَرنَاء۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول گرامی وقار ﷺ نے ارشاد فرمایا یقیناً قیامت کے دن لوگوں کے حقوق دلائے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو بدلا دلایا جائے گا۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں بہت سارے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ نماز روزہ کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں، حج وزکوۃ کی ادائیگی میں بھی کوتاہی نہیں کرتے لیکن حقوق العباد کے معاملے میں ان کے کارنامے بے حد ظالمانہ ہوتے ہیں ایسے عبادت گذاروں کی کوئی عبادت بروز حشر کام نہ آئیگی۔ قلب وروح میں ارتعاش پیدا کرنے والی ایک حدیث درج کر رہا ہوں غور سے پڑھئے۔" عَن ابي هُرَيرَةَ رضى الله عنه أنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: أتَدرُونَ مَا المُفلِس؟ قَالوُا: المُفلِسُ فِينا مَن لَا دِرهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاع، فقَالَ: اِنَّ المُفلِسَ مِن أُمّتِى يأ تِى يَوم القِيمَةِ بِصلاةٍ وصِيَامٍ وزَكَاةٍ وَ يَا تِى قَد شَتَم هذَا وَقَذَفَ هذَا وَأكَلَ مَال هذَا، وَ سَفَكَ دَمَ هذَا، و ضرب هذافيُعطىٰ هذَ ا مِن حَسنا تِهِ وهذامِن حَسَناتِهِ فَاِ ن فَنِيَت حسناته قبل أن يُقضىٰ مَا عَلَيه، أُخِذ مِن خَطَايَا هُم فطُرِحَت عَلَيه ثم طُرِحَ فِى النَّار [حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ کوئی درہم

ہے نہ مال ومتاع ،اللہ کے رسول نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز ،روزہ،اور زکوۃ کے ساتھ آئے گا اور اس حال میں وہ آیگا کہ اس نے گالی دی ہوگی ،اور اس کو غلط طور پر دنیا میں متہم کیا ہے اور اسنے اس کا مال کھایا ہے،اور اس نے اس کا خون بہایا ہے،اور اسنے اس کو مارا ہے تو اس عبادت گذار بندے کی نیکیاں بدلے میں حقداروں کو دی جائینگی اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور ان کے حقوق باقی رہ گئے تو حقوق طلب کرنے والوں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس عبادت گزار کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حضرت علامہ محمد غزالی مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس کی مثال ایک تاجر کی ہے،جس کے گھر میں مال بھرا ہوا ہے اور حال یہ ہے کہ اس پر قرض اس سے زیادہ ہے جتنا اس کے پاس مال واسباب روپیہ پیسہ ہے دیکھئے اس تاجر کی کتنی بڑی بیوقوفی ہے کہ وہ اپنے کو بہت بڑا مالدار سمجھ رہا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں وہ اس کا نہیں ہے۔یہی حال اس عبادت گزار کا ہوگا جو قیامت میں نماز وروزہ کا بہت بڑا ذخیرہ لے کر آیگا لیکن وہ بندوں کا مقروض ہوگا ان کے حقوق کی ادائیگی کے بعد کچھ نہیں بچے گا ۔حدیث کا تیسرا حصہ"من کان یُؤمِنُ باللہ وبِالیوم الآخِرِ فلیکرم ضیفہ "جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مہمان کا احترام کرے اپنے گھر میں عزت سے جگہ دے حضرت ابوشریح کعبی سے مروی ہے"ان رسول اللہ ﷺ قال: من کان یؤ من باللہ والیوم الاخر فلیقل خیراًاولِیصمُت ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ جائزۃٌ یومٌ ولیلۃٌ والضیافۃ ثلثۃٌ فما بعد ذٰلک فھو صدقۃٌ ولایحل ان یثوی عندہ حتی یحرجہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے،جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اس کا جائزہ ایک دن اور ایک رات ہے،اور ضیافت تین دن ہے،اور اس کے بعد صدقہ ہے اور اس مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کے یہاں مزید رک کر تنگی میں ڈالدے"(عن ابی کریمۃ السامی قال :قال النبی ﷺ لیلۃ الضیف حقٌ

واجبٌ علی کل مسلمٍ فمن اصبح بفنائه فهو حق علیه فان شاء اقتضاه وان شاء ترکهٗ (الادب المفرد) نبی کریم ﷺ نے فرمایا مہمان کا واجب حق ہے ہر مسلمان پر، تو جس کے صحن میں مہمان صبح کرے تو اس دن کی مہمان نوازی میزبان پر واجب ہے مہمان چاہے تو اپنا حق وصول کرے یا چھوڑ دے۔

ناظرین! اگر کسی کے گھر میں بیوی بچوں کی خوراک سے فاضل کوئی چیز نہ ہو تو مہمان نوازی واجب نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی مہمان کی خاطر مدارت کرتا ہے تو یہ میزبان کی بہت بڑی فضیلت ہوگی۔ اس بارے میں امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ نے اس کو ازواج مطہرات کے پاس بھیجا تمام ازواج مطہرات نے کہا کہ ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون اس کی ضیافت کرے گا تو ایک انصاری نے کہا میں اس کی ضیافت کروں گا پھر اس مہمان کو لے کر اپنی بیوی کے پاس آئے اور کہا رسول اللہ ﷺ کے مہمان کا اکرام کرو، بیوی نے کہا ہمارے پاس بچوں کی خوراک کے سوا کچھ نہیں ہے انصاری نے کہا کھانا تیار رکھو اور اپنا چراغ بھی درست کرلو اور اپنے بچوں کو سلا دو، اور جب رات کے کھانے کا ارادہ ہوا تو بیوی اٹھی ایسا معلوم ہوا کہ وہ چراغ کو ٹھیک کر رہی ہے یعنی اس کی لو بڑھانا چاہتی ہے لیکن چپکے سے چراغ کو بجھا دیا اور میاں بیوی دونوں مہمان کے ساتھ بیٹھے ہاتھ منھ اس طرح چلا رہے تھے گویا کھانا کھا رہے تھے اس طور پر مہمان آسودہ ہوگیا........ پھر صبح انصاری بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا تم دونوں کے عمل سے اللہ تبارک وتعالیٰ بہت خوش ہوا اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ''ویؤثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون'' اپنی حاجت اور ضرورت کے باوجود دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص اپنے نفس کی بخالت سے بچا لیا گیا وہی کامیاب ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابۂ کرام کو انسانیت کے جس بلند ترین مقام تک پہونچا دیا تھا

آج کی دنیا میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ پیارے رسول ﷺ کی مسلسل تربیت ونگہداشت کے نتیجے میں ایسا صالح معاشرہ وجود میں آگیا تھا کہ جس میں تمام مسلمان بلا تفریق رنگ ونسل ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے ان کے دل بغض وحسد کینہ ونفرت سے یکسر پاک تھے۔سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا معاون ومددگار تھا دو مختلف خاندانوں سے متعلق ہونے کے باوجود باہم رشتہ اخوت ومحبت میں منسلک تھے .... غیر مسلموں کے ساتھ بھی ان کے معاملات عدل وانصاف ،امانت ودیانت کی بنیاد پر استوار تھے۔ مسلمانوں کی یہی اخلاقی خوبیاں تھیں جس کی بنا پر دنیا ان کا احترام کرتی تھی۔اس کے برعکس آج کے دور میں مسلمانوں کے اندر وہی اخلاقی بیماریاں بغض وحسد ،نفرت وکینہ وغیرہ عود کر آئی ہیں۔اور یہ اخلاقی بیماریاں جس قوم میں پیدا ہو جائیں اسے کوئی طاقت شکست وریخت ،زوال وانحطاط سے نہیں بچا سکتی۔ بدقسمتی سے آج مسلمان عالمی پیمانہ پر زبردست عددی طاقت کے باوجود ہر جگہ پسماندگی وزبوں حالی سے دوچار ہے کیوں؟ اس کا واحد سبب اخلاقی قدروں کا فقدان ہے ۔آج مسلمان منتظر ہے کہ کوئی معجزہ نمودار ہو جائے اور پھر ہمیں دنیا عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے پھر ہم صاحب اقتدار ہو جائیں۔لیکن یاد رکھئے یہ ہرگز ہونے والا نہیں ہے یہ مشیت الٰہی کے خلاف ہے قانون قدرت ہے کہ جب تک کوئی قوم اپنی اصلاح نہیں کر لیتی اسے ہرگز عروج وارتقاء نصیب نہیں ہوتا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا واضح فرمان ہے۔"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنْفُسِھِمْ" یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات واوصاف بدل نہیں دیتی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو حیرت انگیز فتوحات سے اللہ تعالیٰ نے اس لئے بہرہ ور کیا کہ ان کا ایمان کامل تھا،ان کے اعمال درست تھے۔ان کا کردار بلند تھا۔اس کا اعتراف یورپ کے بلند پایہ مفکرین نے کیا ہے۔فرانس کا مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر لیبان "انقلاب الامم" میں لکھتا ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی فتوحات کی چاہے کوئی کچھ توجیہ کرے لیکن میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کی تعداد حریف فوجوں کے مقابلے میں بہت کم تھی ان کے اسلحے بھی بہت ناقص

تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انہیں باقاعدہ جنگ کا کوئی تجربہ بھی نہین تھا وہ محض قبائلی جنگ سے آشنا تھے ۔لیکن ان تمام کمیوں کے باوجود ان کا ایمان ان کے اندر دس گنی طاقت پیدا کر رہا تھا اس موقعہ پر اکبرالہ آبادی کا ایک شعر یاد آیا ہے۔

صداقت ہو تو دل سینے سے کھینچنے لگتے ہیں واعظ حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

اس سے اہم شہادت قیصر روم کے جاسوسوں کا وہ بیان ہے جو انہوں نے پوری تفتیش کے بعد دیا تھا انہوں نے قیصر سے کہا کہ ہم نے خفیہ طور پر مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا ہے رات کی تاریکی میں ان کے خیموں میں جھانک کر دیکھا ہم نے انہیں اس حال میں پایا کہ کوئی اللہ کی عبادت میں کھڑا ہے،تو کوئی سر بسجود ہے، ہم باللیل رہبان وبالنھار فرسان قیصر یہ دنیا کی عجیب قوم ہے یہ رات میں زاہد وعبادت گذار ہوتے ہیں اور یہی دن کے اجالے میں سربکف مجاہد ہوتے ہیں ایسی قوم کو کبھی شکست نہیں دی جاسکتی قیصر نے ایک مرتبہ اپنے اعلیٰ فوجی افسروں سے پوچھا تھا بتاؤ آخر کیا وجہ ہے کہ ہماری آزمودہ کار فوجیں صحرائے عرب کے بدوں سے شکست کھا رہی ہیں۔ایک فوجی جنرل نے کہا ہماری فوج رات میں شراب پی کر سو جاتی ہے یا فحش وبدکاری میں مبتلا رہتی ہے ہم ایک دوسرے کا احترام نہیں کرتے ہم میں اونچ نیچ کا روگ ہے اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن کر رہتے ہیں ایک دوسرے سے محبت وشفقت سے پیش آتے ہیں ان میں کامل مساوات اور ناقابل شکست اتحاد ہے اور ہم ان خوبیوں سے محروم ہیں۔

یہ تھے ہمارے وہ اسلاف جنہوں نے دنیا کو امن وسلامتی اخوت ومحبت کا پیغام دیا تھا وہ اس آیت کریمہ کے مصداق تھے ”کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر“ تم تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہو تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے لوگوں کو روکتے ہو۔ہمارے وہ اسلاف جو خیر امت کے صحیح مصداق تھے وہ اپنے پختہ ایمان اور بلند کردار کی بنا پر دنیا میں معزز اور قابل احترام تھے۔آج مسلمان عالمی پیمانہ پر زبردست عددی طاقت کے باوجود پسماندگی وزبوں حالی سے دوچار اس لئے ہیں کہ آج ہمارے اخلاق میں حد درجہ بگاڑ پیدا

ہو چکا ہے عام طور پر مسلمانوں میں بغض وحسد، کینہ ونفرت، کذب وبہتان طرازی جیسی مہلک اخلاقی بیماریاں جڑ پکڑ چکی ہیں اور یہ بیماریاں جس قوم میں پیدا ہو جائیں پھر اس کو دنیا کی کوئی طاقت شکست ور بخت، زوال وانحطاط سے نہیں بچا سکتی۔ علامہ اقبال کا ایک شعر ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر　　　　اور تم خار ہوئے تارک قرآن ہوکر

لیکن نہایت افسوسناک حقیقت ہے کہ جس امت نے دنیا کو اتحاد اور یکجہتی کا پیغام دیا تھا جس نے وحدت انسانی کا تصور پیش کیا تھا آج وہی امت رنگ ونسل، زبان وقومیت کی بنیاد پر مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ علامہ اقبال نے بہت پہلے پیغام دیا تھا۔ اور وہ پیغام آج کے حالات میں اور بھی ضروری ہے۔ فرماتے ہیں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک　　　　ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک　　　　کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں　　　　کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج مسلمانون کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ دین کی بنیاد پر سب متحد ہو جائیں اور اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری علمائے کرام پر عائد ہوتی ہے۔ ان کو احساس ہونا چاہیئے کہ معاندین اسلام کو ہمارے فروعی مسائل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ان کا ہدف ہمارا دین ہے اور دین کے وہ شرائع واحکام ہیں جن پر ہماری تہذیب کی بقا ہے۔ ہمارے ملک بھارت کی فرقہ پرست تنظیمیں تو بہت پہلے سے اس بات کا مطالبہ کر رہی ہیں کہ مسلم پرسنل لا کو ختم کر کے یکساں سول کوڈ نافذ کیا جائے اور اب تو دو قدم آگے بڑھ کر کہا جا رہا ہے کہ قرآن شریف سے آیت جہاد کو نکال دیا جائے۔ حالانکہ دستور ہند میں ہر مذہب کے لئے تحفظ کی ضمانت موجود ہے پھر ہمارے نجی معاملے میں مداخلت کیوں؟ میں پوچھتا ہوں کہ سیکولرزم کا مفہوم کیا ہے؟ اہل مغرب کیطرف سے یہ بھی مطالبہ ہو رہا ہے کہ کتاب اللہ میں بنی اسرائیل کی سرکشی وگمراہی کا جن آیات میں تذکرہ ہے انہیں بھی قرآن سے نکال دیا جائے۔

قارئین کرام! معاندین اسلام کے یہ مطالبات ایسے ہیں جنہیں کوئی بھی مسلمان برداشت

نہیں کر سکتا اور نہ مسلم فرقے مختلف الرائے ہو سکتے ہیں۔ان میں مسلکی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔لیکن افسوس! کچھ علماء بجائے اس کے کہ دین اوراس کے بنیادی حقائق کے تحفظ کی فکر کرتے فروعی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔حالانکہ وقت وحالات کا تقاضہ ہے کہ مسلم فرقے اپنے اپنے طور پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دین متین کے تحفظ کیلئے متحد ہو جائیں۔اگر دنیا کے مسلمان اب بھی بیدار نہ ہوئے اوران میں یہی افتراق وانتشار جاری رہا تو انجام بڑا ہی بھیانک ہونے والا ہے۔اب کون سی ساعت منتظرہ ہے جس کے بعدامت مسلمہ بیدار ہوگی۔یکے بعد دیگرے مسلم ممالک جدید استعمار کے ہدف بنتے جارہے ہیں۔اور دنیا خاموش تماشا دیکھتی جارہی ہے۔افسوس کچھ مسلم مملکتیں یہ امید رکھتی ہیں کہ مغرب ہمارا تحفظ کرے گا اور ہمارے لئے زندگی کے لئے بہتر مواقع فراہم کرے گا خدا جانے یہ لوگ کب تک خود فریبی میں مبتلا رہیں گے۔

علامہ اقبال نے بہت پہلے ہی کہا تھا

دل شاہیں نمی سوزد برآں مرغے کہ در چنگست	ترانادان امید غمگساری باز افرنگست

مسلم ملکوں کو یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ کوئی ملک تمہارے لئے جنگ نہیں کر سکتا کیوں کہ ہر ایک کے سامنے اس کا اپنا مفاد ہوتا ہے۔مسلمانوں کو اپنے تحفظ اوراپنی بقا کے لئے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے کہ یہ ممالک باہم متحد ہو کر استعماری قوتوں کا مقابلہ کریں ورنہ ایک ایک ملک زد میں آتا جائے گا اورامت مسلمہ کے پاس کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ رہ جائے گا۔اور مقابلہ محض اپنے اقتدار اعلیٰ کی خاطر نہیں بلکہ مغرب کی نظریاتی یلغار کا جواب اس سے زیادہ ضروری ہے۔اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ اسلام کو اس کے صحیح خدوخال کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور بتایا جائے کہ اسلام ساری دنیا کے لئے امن وسلامتی کا پیغام ہے۔اس میں جارحیت اور دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس میں بلاتفریق رنگ ونسل،زبان وقومیت ہی معیار عدل وانصاف ہے۔اور یہ پیغام محض تحریروں یا زوردار تقریروں کے ذریعہ ممکن نہیں بلکہ عملی زندگی میں اسکا ظہور ہونا چاہیئے اگر ایسا ہو گیا تو دنیا پھر تمہارے احترام پر مجبور ہوگی۔

ناظرین! انسان کی انفرادی زندگی میں حسن اخلاق کہ اہمیت سے آپ بہت کچھ واقف ہو چکے ہیں، عوامی واجتماعی زندگی میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہیکہ اگر کسی قوم کے اخلاق درست ہوں تو قوم میں استحکام رہتا ہے حکومت پائدار رہتی ہے۔ اور اگر بد قسمتی سے قومی اخلاق زوال پذیر ہوئے تو نہ قوم کی عزت وحرمت رہتی ہے نہ اس کے ہاتھ اقتدار رہ جاتا ہے۔ ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے

وَاِنَّمَا الْاُمَمُ الْاَخْلَاقُ مَا بَقِيَتْ　　فَاِنْ هُمْ ذَهَبُوا اَخْلَاقُ هُمْ ذَهَبٗ

قومیں اس وقت تک باقی رہتی ہیں جب تک ان کے اخلاق باقی رہتے ہیں اگر ان کے اخلاق میں زوال آجائے تو قومیں مٹ جاتی ہیں...... یہ قانون قدرت ہے اور تاریخ عالم اس کی شاہد ہے اس لئے سب سے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے اخلاق کی اصلاح کریں۔ بہیمانہ ورذیل خصلتوں سے دلوں کو پاک کریں۔ پیغمبر اسلام روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونو اعباداللہ اخوانا" ترجمہ: تم کسی پر حسد کرو اور نہ دھوکا دو اور نہ کسی سے بغض رکھو اور نہ قطع تعلق کرو اور اے اللہ کے بندو بھائی چارہ کے ساتھ رہو۔

اور ایک دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ آپ ﷺ نے فرمایا "سیصیب امتی داء الامم قالوایا نبی اللہ وماداء الامم ؟قال الاشر والبطر والتکاثر والتنافس فی الدنیا والتباغض والتحاسد حتی یکون البغی ثم الھرج" ترجمہ: میری امت کو سابقہ امتوں کی بیماری لگ جائے گی۔ صحابۂ کرام نے سوال کیا اللہ کے نبی ﷺ اگلی امتوں کا روگ کیا ہے آپ نے فرمایا تکبر اور انکار حق اور مال دنیا کی زیادہ سے زیادہ طلب اور اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش، اور آپس میں بغض رکھنا اور حسد کرنا یہاں تک کہ لا قانونیت بڑھ جائے گی۔ شور شغب پیدا ہو جائے گا۔

حسد کتنی مہلک بیماری ہے اس کا اندازہ ذیل کی حدیثوں سے کرسکتے ہیں "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ ابلیس لعین نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ میں دو چیزوں سے بنی آدم کو ہلاک کرتا ہوں ایک حسد ہے دوسری حرص۔ اور حسد کی بنا پر مجھے ملعون کیا گیا اور مجھے

شیطان رجیم کر دیا گیا۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ حسد اور دنیا کی حرص میں مبتلا رہتے ہیں وہ حقیقت میں شیطان رجیم کی پیروی کرتے ہیں۔ امام احمد اور ترمذی نے حضرت زید بن عوام سے روایت کیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "دب علیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء، البغضاء ھی الحالقه حالقة الدین لا حالقة الشعر (الحدیث) تم تک تم سے پہلی امتوں کا حسد اور بغض آہستہ آہستہ پہونچ گیا، اور بغض مونڈنے والا ہے، دین کا مونڈ دینے والا نہ کہ بالوں کا۔ دوسری حدیث سنن ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب" حسد سے بچو اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے، جس طرح آگ لکڑی (ایندھن) کو چٹ کر جاتی ہے۔

حسد کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی میں کوئی فضل وکمال دیکھے تو اس کی خواہش ہو کہ محسود کسی صورت سے اپنے فضل وکمال سے محروم ہو جائے۔ حاسد اس قبیح مقصد کے لئے سرگرم عمل ہو جاتا ہے محسود کے خلاف طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتا ہے غلط اور جھوٹی باتیں اس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ حاسد اپنے محسود کو ضروری نہیں کہ نقصان پہونچا سکے لیکن بدنصیب کو احساس نہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے کو تو نقصان پہونچا ہی چکا۔ دیکھئے ایک حسد کے نتیجے میں اس کے دل کے اندر بغض ونفرت، کینہ جیسی مہلک بیماریاں پیدا ہو گئیں۔ بغض وحسد کے نتیجے میں ذہنی تناؤ کا شکار ہو کر جسمانی صحت سے محروم ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو صاف ستھرے دل کا مالک ہو اس کی زبان سچی ہو لوگوں نے کہا سچی زبان سے تو ہم واقف ہیں لیکن صاف دل کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جو متقی ہو برائیوں سے پاک ہو اس میں گناہ ہو نہ نافرمانی نہ حسد نہ کینہ.......... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک جنتی شخص آ رہا ہے

اتنے میں ایک انصار کا آدمی نظر آیا جس کی داڑھی وضو کے پانی سے تر تھی اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں جوتے اٹھا رکھے تھے۔ پھر جب دوسرا دن آیا تو آپ نے پھر وہی کلمہ دہرایا اور انصار کا وہی آدمی اسی حالت میں پھر نمودار ہو۔ اور جب تیسرا دن آیا تو نبی کریم ﷺ نے وہی بات کہی اور پھر وہی انصاری اسی حال میں نظر آیا جب آپ کھڑے ہوگئے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما اس آدمی کے پیچھے چلے اور انصاری سے کہا کہ ایک خاص وجہ ہے جس کے سبب میں تین دن گھر نہیں جاسکتا اگر آپ مجھے پناہ دیں تو بہتر ہے اس نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما بتاتے تھے کہ انہوں نے اس کے ساتھ تین راتیں گزار دیں لیکن کسی رات اسے قیام کرتے ہوئے نہ پایا۔ البتہ جب وہ بستر پر جاتا تو اللہ کو یاد کرتا یہاں تک کہ نماز فجر کیلئے اٹھ جاتا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کہتے ہیں کہ میں نے کبھی اس کے منھ سے کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہیں سنا۔ وہ کہتے ہیں جب تین راتیں گزر گئیں اور میری نگاہ میں اس کے عمل کی کوئی اہمیت معلوم نہ ہوئی اور میں نے اس سے کہا کہ اے اللہ کے بندے مجھ کو اپنا گھر چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں تھی حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ تمہارے سامنے جنت کا ایک آدمی آنیوالا ہے اور تم سامنے آگئے تو میری خواہش ہوئی کہ تمہارے پاس قیام کروں اور دیکھوں کہ کیا بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے بارے میں یہ بات فرمائی ہے اس نے کہا کہ بس حقیقت وہی ہے جو آپ نے دیکھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ جب واپس ہونے لگا تو اس نے مجھے بلایا اور کہا کہ بات تو وہی ہے جو آپنے دیکھ لی البتہ میں دل میں اپنے کسی مسلمان بھائی سے کینہ نہیں رکھتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم کو خیر سے نوازتا ہے تو میں اس پر حسد نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نے فرمایا کہ بس تمہاری یہی صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچی ہوگی۔ رواہ احمد (بحوالۂ خلق المسلم) ماخوذ۔

دوسری چیز جس کے ذریعہ ابلیس لعین بنی آدم کو گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے وہ حرص ہے۔ حرص انسان کی فطرت میں داخل ہے انسان طبعاً مال ودولت سے محبت کرتا ہے اور اس کی طلب

میں ہمیشہ سرگرداں رہتا ہے۔ کتنی ہی دولت کا مالک ہو جائے لیکن قانع نہیں ہوتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انسان کی اسی کیفیت کے بارے میں فرمایا ہے"لو کان لابن آدم وادیان من المال لا تبغی وادیا ثالثا" اگر انسان کے پاس دو وادی بھر کے مال جمع ہو جائے تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا قناعت نہ کرے گا، دنیا کی حرص اتنی مذموم خصلت ہے کہ انسان ایک معمولی نعمت کے لئے اپنی عزت نفس کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ یہی حرص ہے جو انسان کو چوری ڈاکے کی راہ پر ڈال دیتی ہے ۔یہی حرص ہے جس کی تحریک پر ایک طاقتور ملک کسی کمزور ملک پر قابض ہونے کی سعی کرتا ہے۔ اسلام نے حرص کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کا رخ دنیا کے بجائے عقبیٰ کی ابدی نعمتوں کی طرف موڑ دیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا"وسارعو االی مغفرة من ربکم وجنة عرضها السموات والارض أعدت للمتقین،الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس والله یحب المحسنین "تیزی کے ساتھ اس راہ پر چلو جو تمہارے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین وآسمان جیسی ہے اور وہ ان پرہیزگاروں کے لئے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں چاہے خود تنگ حال میں ہوں یا خوش حال، اور جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور دوسرے کا قصور معاف کردیتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ پیغمبر اسلام روح فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے حکیمانہ انداز میں سمجھایا کہ جس مال کو تم اپنا سمجھ رہے ہو وہ تمہارا نہیں ہے تمہارا مال تو وہی ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو ایک مرتبہ آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم میں سے ہر ایک کو اس کا اپنا مال زیادہ محبوب ہے آپ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کا مال وہی ہے جسے اس نے خدا کے یہاں بھیجدیا، اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جسے وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا، ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ان کے یہاں ایک مرتبہ ایک بکری ذبح ہوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ عائشہ اس میں سے کچھ بچا آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! سب

خرچ ہو گیا بکری کے اس کندھے کے سوا، آپ نے فرمایا سب بچ گیا اس کندھے کے سوا۔ اللہ تبارک وتعالٰی کا ارشاد ہے: ما عندکم ینفد وما عند اللہ باقٍ، جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور وہی باقی رہنے والا ہے جو خدا کے پاس ہے۔

انسان اپنے مال کو ایسی جگہ رکھنا چاہتا ہے جہاں اس کے مال کی زیادہ سے زیادہ حفاظت ہو سکے ظاہر ہے کہ بندے کا جو مال اللہ کے پاس ہے اس سے زیادہ کہیں اور حفاظت ممکن ہی نہیں اس لئے عقل ودانش کا تقاضہ ہے کہ بندہ اپنے مال کا ذخیرہ نہ کرے کیونکہ اس کے ضائع ہونے کا ہر لمحہ خطرہ رہتا ہے بلکہ اپنی دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے قطعی طور پر محفوظ کر لے۔ لیکن انسان اپنی طبعی حرص کی بنا پر چاہتا ہے کہ کسی کو سو روپیہ قرض دوں تو مجھے اس کا سود ملے تا کہ میں زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر سکوں، اسلام سود کو ایک لعنت قرار دیتا ہے، اس کے ذریعہ غریبوں کا ظالمانہ استحصال ہوتا ہے سودی نظام سے انسانی معیشت تباہ وہو جاتی ہے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے باقی آبادی فقر وفاقہ میں مبتلا ہو کر ہلاکت کے قریب پہونچ جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے ‌ ‌ ‌ ‌ سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

سودی نظام کی تباہ کاریاں پوری دنیا پر عیاں ہیں، آج دنیا کے بڑے بڑے ممالک سود خواروں کے شکنجے میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کرنیکی جرأت نہیں کر سکتے، کہنے کو آزاد ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بدترین قسم کی غلامی میں مبتلا ہیں۔

اسلام اس ظالمانہ نظام کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ تم اصل رقم سے زائد منافع چاہتے ہو تو اللہ کے بندوں سے نہ لو تمہیں اللہ اس سے زیادہ دیگا جس کی تم تمنا کرتے ہو۔ ارشاد الٰہی ہے "اِن تُقرِضوا اللہ قَرضاً حَسَناً یُضاعِفهُ لَکُم وَیَغفِر لَکُم" اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دیگا۔ بندوں کے ساتھ اللہ کی مہربانی دیکھئے، بندہ جو کچھ اپنے عزیز واقارب یا کسی غریب پر خرچ کرے گا وہ اسے اپنے لئے قرض بتاتا ہے۔ تم اپنے بھائی، بہن کسی رشتہ دار پر خرچ کروگے تو نفع تمہیں اللہ دیگا۔ اسلام نے جہاں نماز، روزہ کی زبردست تاکید فرمائی ہے

وہیں اس نے انفاق فی سبیل اللہ پر مختلف انداز میں تاکید فرمائی ہے، یہ غریبوں اور بے سہارا افراد کا بہترین سہارا ہے۔ انفاق، بخل وحرص کا موثر علاج ہے۔ اور شیطان رجیم کیلئے کاری ضرب ہے حدیث میں ہے: جب کوئی بندہ صدقہ نکالتا ہے تو ستر شیاطین کا گروہ اس سے چمٹ جاتا ہے اور اسے اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے (احمد) اسلام چاہتا ہے کہ بندہ پہلے اپنے اور اپنے گھر والوں کے ساتھ جود وبخشش کا معاملہ کرے پھر اور رشتہ داروں کے ساتھ۔ اس کے بعد دوسرے حاجتمندوں کے ساتھ کرم وبخشش کا معاملہ کرے، اسلام اسے پسند نہیں کرتا کہ کوئی آج اس طرح صدقہ کرے کہ کل خود لینے کے لائق ہو جائے۔ اسلام اس بارے میں اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اوس کے ہاتھ میں سونے کا ایک ڈلا تھا جو اوس کو سونے کی کان سے ملا تھا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ صدقہ کروں، آپ اسے قبول فرمالیجئے، آپ سخت برہم ہوئے اور فرمایا: کہ تم میں سے بعض لوگ اپنا پورا مال صدقہ کرنے کے لئے آتے ہیں اور اس کے بعد لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں، حالانکہ بہترین صدقہ وہ ہوتا ہے جو ایک مالدار کی جانب سے آئے (مختصرا)۔

اپنے نفس کے ساتھ کرم وبخشش کا مطلب یہ ہیکہ اپنی ضرورتوں کو جائز طریقے سے پورا کرے اور حرام طریقوں سے باز رہے اور فقر وفاقہ کے اظہار سے اپنے کو بچائے، اسلام جہاں دوسروں کی غربت وافلاس کو دور کرنے کا حکم دیتا ہے وہیں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ دوسروں کی غربت مٹانے کے نتیجے میں غربت وافلاس اپنے گھر لے آئے۔ اللہ تعالیٰ اس میں اعتدال اور میانہ روی پسند کرتا ہے، انسان کی جود وبخشش کے سب سے زیادہ مستحق اس کے اہل وعیال ہیں پھر اعزہ واقارب اس کے بعد دوسرے غربا ومساکین، اور یہ بات عقل ودانش کے عین مطابق ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار وہ ہے جو تم غلام کو آزاد کرنیکے لئے خرچ کرتے ہو، ایک دینار وہ ہے جو تم اللہ

کی راہ میں صدقہ کرتے ہو، اور ایک دینار وہ ہے جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو ان میں سب سے زیادہ اجر اس دینار پر ملے گا جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا گیا ہے (مسلم شریف بحوالہ خلق المسلم)

اپنے اہل وعیال کو تنگ دست ومفلوک الحال چھوڑ جانا اسلام کو ہرگز پسند نہیں، بخاری شریف کی حدیث ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ جاؤ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم انہیں مفلس ونادار چھوڑ جاؤ کہ وہ دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ صدقہ صرف یہی نہیں کہ اپنا مال غریبوں پر خرچ کیا جائے بلکہ صدقہ کی بہترین قسم یہ ہے کہ اپنے اہل وعیال پر فراخی کے ساتھ خرچ کیا جائے۔

ایک حدیث ہے: وَسّع علیٰ اھلك وعیالك فانه جهاد فی سبیل الله، اپنے اہل پر معیشت کشادہ کرو کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ اپنے پاس اتنا مال جمع کر لینا معیوب نہیں ہے کہ جس سے وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرے اور انہیں مفلسی اور تنگدستی سے بچائے۔ ایک مالدار میں قباحت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ معاشرے سے کٹ کر عیش وعشرت کی زندگی گزارنے لگتا ہے، اور اسے احساس نہیں کہ اس کے ارد گرد کتنے ایسے انسان موجود ہیں جو بھوکے پیاسے صبح کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی مبغوض ہے وہ سچا مسلمان نہیں ہے۔ کامل درجے کا مسلمان وہی ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ دوسرے فاقہ زدہ لوگوں پر اپنا مال خرچ کرے۔ آپ نے پڑھ لیا کہ صحابۂ کرام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ونصیحت کے نتیجے میں انفاق فی سبیل اللہ کا ایسا جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اپنا کل سرمایۂ حیات غریبوں میں لٹا کر عقبیٰ کی غیر فانی نعمتیں حاصل کر لینا چاہتے تھے اب ان کی حرص دنیا کے لئے نہیں بلکہ عقبیٰ کے لئے تھی۔ ان کی مسابقت امور دنیا میں نہیں بلکہ رضائے الٰہی وثواب اخروی کے میدان میں تھی۔ اس کی بڑی بصیرت افروز مثال ملتی ہے صحیحین میں ہے "عن ابی صالح عن ابی هریرة رضی الله عنه اِن فقراء المهاجرین أتوا الی النبی صلی

الله عليه وسلم فقالوا:ذهب اهل الدثور بالدرجات العلىٰ والنعيم المقيم فقال:وماذالك ؟قالوا:يصلون كما نصلي ويصومون كما نصوم ويتصدقون ولا نتصدق ويعتقون ولا نعتق ،فقال رسول الله ﷺ أفلا اعلمكم شيئا تدركون به من سبقكم وتسبقون به من بعدكم ولايكون احد أفضل منكم الا من صنع مثل ما صنعتم .قالوا:بلىٰ يارسول الله صلى الله عليه وسلم ،قال:تسبحون وتكبرون وتحمدون دبر كل صلاة ثلاثا وثلاثين مرة قال ابو صالح:فرجع فقراء المهاجرين الى رسول الله ﷺ فقالوا:سمع اخواننا اهل الاموال بما فعلنا ففعلوا مثله فقال رسول الله ﷺ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء ''حضرت ابوصالح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ دولت مند صحابہ بلند درجات اور ابدی نعمتوں میں ہم پر سبقت لے گئے ،آپ نے فرمایا وہ کیا معاملہ ہے؟لوگوں نے کہا وہ نمازیں پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں وہ روزے رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں،وہ صدقہ کرتے ہیں ہم صدقہ نہیں کرتے وہ غلاموں کو آزاد کرتے ہیں اور ہم آزاد نہیں کرتے ہیں،یعنی ہمارے پاس مال نہیں کہ ہم صدقہ دیں اور غلام آزاد کریں،تو اس طرح وہ ہم سے ثواب اخروی میں آگے بڑھ گئے،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جس سے تم ان کے برابر ہو جاؤ جو تم پر سبقت لے گئے ہیں اور تم اس کے ذریعہ اپنے بعد میں آنے والوں پر سبقت لے جاؤ اور کوئی تم سے افضل نہیں ہوسکتا،لیکن وہ شخص جو وہی عمل کرے جو تم کرو گے۔صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،آپ نے فرمایا **سبحان الله** تینتیس بار **الله اكبر** تینتیس بار **الحمد لله** تینتیس بار پڑھ لیا کرو۔حضرت ابوصالح فرماتے ہیں کہ فقراء مہاجرین پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یارسول اللہ ﷺ ہمارے اہل ثروت بھائیوں کو بھی وہ وظیفہ

معلوم ہوگیا جو ہم پڑھتے ہیں، تو وہ بھی پڑھنے لگے جو ہم پڑھتے ہیں یعنی وہ پھر ہم پر عمل خیر میں سبقت لے گئے آپ نے فرمایا یہ مال ودولت اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے۔

دیکھئے! دور جاہلیت میں قوم عرب کی حرص دنیا کے لئے تھی، اور اب اللہ کے رسول ﷺ کے تربیت کے نتیجے میں تمام تر اس کا رخ عقبیٰ کی طرف مڑ گیا تھا، جس کے نتیجے میں ایک صالح معاشرہ وجود میں آیا، حدیث رسول ﷺ پر نگاہ ڈالیں "لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تناجشوا ولا تدابروا وکونو عباداللہ اخوانا" آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو، ایک دوسرے سے پشت نہ پھیرو، اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

حافظ ابن رجب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب لوگ باہم تحاسد، تباغض، تناجش، تدابر چھوڑ دیں گے تو ان میں بھائی چارگی پیدا ہو جائیگی۔ مزید فرماتے ہیں کہ اس میں اس امر کا حکم ہے کہ مسلمان وہ چیزیں اختیار کریں جس سے مسلمان بھائی بھائی بن کر رہیں، اس میں یہ داخل ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا حق ادا کرے، حقوق میں یہ بھی ہے کہ اس کے سلام کا جواب دے اگر چھینک آئے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے، مریض ہو تو عیادت کرے، جنازہ کے ساتھ چلے، مسلمان دعوت دے تو قبول کرے، ملاقات پر سلام کرے، اچھی نصیحت کرے، جو چیزیں باہم مودت ومحبت میں اضافہ کرتی ہیں ان میں ایک دوسرے کو ہدیہ کرنا بھی ہے ، ترمذی میں ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: تھادوا فان الھدیۃ تذھب وحر الصدر، تم آپس میں ہدیہ کرو کیونکہ ہدیہ دور کرتا ہے سینوں کے غصے اور کینے کو ، دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں "تھادوا تحابوا" آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ کرو تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے۔ اور مسند بزار میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

تھادوا فان الھدیة تسُلُ السَّخِیمَة (ہدیہ دو اس لئے کہ ہدیہ کینے کو دور کرتا ہے) حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں'' تصافحوا فانه یذھب الشحناء وتھادوا " آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرو کیونکہ یہ دلوں کے بغض وعداوت کو دور کر دیتا ہے اور ایک دوسرے کو ہدیہ کرو۔ وقال الحسن "المصافحة تزید فی المؤدة'' حضرت حسن فرماتے ہیں کہ مصافحہ محبت میں اضافہ کرتا ہے'' انما المؤمن اخوة فاصلحوا بین اخویکم '' چونکہ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو حکم ہے کہ ان چیزوں سے سختی کے ساتھ اجتناب کریں جن سے ان کے مابین نفرت پیدا ہو، حضرت ابن رجب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ حکم مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہر ایک کے بارے میں ہے۔ لوگوں کے درمیان بغض وعداوت پیدا کرنا نفرت کے بیج بونا، خالص شیطانی کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر الله وعن الصلاة فھل انتم منتھون '' شیطان شراب اور جوئے کے بارے میں تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا کرنا چاہتا ہے اور اللہ کے ذکر اور صلوٰۃ سے روکنا چاہتا ہے تو کیا تم ان سے باز آجانے والے ہو؟ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان اس بات سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں اس کی پرستش کی جائے لیکن لوگوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکانے سے مایوس نہیں ہوا، شیطان ہمیشہ کوشاں رہتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرے شیطان اسے اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف باب الوسوسہ کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ابلیس لعین سال میں ایک مرتبہ اپنا تخت شیطنت سمندر کی سطح پر بچھاتا ہے، دنیا کے بڑے بڑے شیاطین جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے کارنامے پیش کرتے ہیں وہ سب کی تعریف کرتا ہے آخر میں ایک شیطان اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کسی نمازی کی نماز نہیں چھڑائی، نہ کسی کو روزہ رکھنے سے باز رکھا، لیکن ایک کام

کیا ہے، میں دیکھ رہا تھا کہ فلاں جگہ میاں بیوی بڑی خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں ان کے درمیان بڑی محبت ہے، کسی بات پر بھی کبھی تلخی پیدا نہیں ہوتی، میں تاک میں تھا کہ کوئی موقع ملے اور نفرت وعداوت کی خلیج پیدا کروں، بالآخر مجھے موقع مل ہی گیا، اور میں نے ان دونوں کے درمیان عداوت ونفرت کا بیج بو ہی دیا اور وہ دونوں آپس میں لڑ پڑے ابلیس نے اس شیطان کو گلے سے لگایا اور کہا تو سب پر بازی لے گیا۔

افسوس کی بات ہیکہ آج مسلمانوں میں بھی کچھ ایسے افراد ہر جگہ پائے جاتے ہیں جو ہمیشہ اس کے لئے سرگرداں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان بغض وعداوت کی خلیج پیدا کریں، وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائیں، ایسے لوگ حقیقت میں شیطان کا آلۂ کار ہوتے ہیں ان لوگوں کو پیغمبر اسلام ﷺ کے اس فرمان کو یاد رکھنا چاہیئے" خرج الامام احمد وابو داؤد والترمذی من حدیث ابی الدرداء عن النبی ﷺ قال: الا اخبرکم بأفضل من درجة الصلوة والصیام والصدقة ؟ قالوا: بلیٰ یا رسول الله ﷺ قال اصلاح ذات البین فان فسادالبین هی الحالقة" حضرت امام احمد، ابوداؤد، وترمذی نے حضور ﷺ سے روایت کی ہیکہ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں نماز، روزہ، اور صدقہ سے افضل درجہ کی خبر نہ دیدوں؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ آپنے فرمایا آپسی تعلقات کی اصلاح کرو کیونکہ آپسی تعلقات کی خرابی مونڈ دینے والی چیز ہے اس سے مراد بالوں کو مونڈ دینے والی نہیں بلکہ دین مونڈ دینے والی چیز ہے۔ من حدیث اسماء بنت یزید عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الا انبئکم بشرارکم؟ قالوا بلیٰ یا رسول الله قال: المشاؤن بالنمیمة المفرقون بین الاحبة الباغون للبرءاء العیب "حضرت اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تمھیں شریر لوگوں کی خبر نہ دیدوں؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا: چغلی کھانے والے

،دوستوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے والے، بے عیب لوگوں کے اندر عیب ڈھونڈنے والے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے والے، ایک دوسرے کی عیب جوئی میں سرگرداں رہنے والے وہی لوگ ہیں جنکے قلوب بغض وکینہ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اسلام کی نگاہ میں یہ چیزیں پستی ودنائت کی علامات ہیں۔ایسے دنی الطبع لوگوں کواس وقت تک چین نہیں آتا جب تک کہ وہ اپنی بدزبانی وبدگوئی سے دوسروں کے دل دکھا نہیں لیتے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں برے لوگوں کی نشانی نہ بتادوں؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں اگر آپ کی مرضی ہو تو ضرور بتایئے آپ نے فرمایا: تم میں سب سے برا وہ ہے جو تنہا لئے دیئے رہتا ہے، اپنے غلام پر سختی کرتا ہے، اور کسی کو بخشش نہیں کرتا، کیا میں اس سے بھی زیادہ برے آدمی کی نشاندہی نہ کردوں؟ لوگوں نے کہا ہاں یارسول اللہ ﷺ اگر آپ کی مرضی ہو، آپ نے فرمایا: جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں، پھر دریافت کیا تمہیں اس سے برا آدمی بتاؤں؟ لوگوں نے کہا ہاں یارسول اللہ ﷺ اگر آپ کی مرضی ہو آپ نے فرمایا: جو دوسروں کی غلطی معاف نہیں کرتا، ان کی معذرت قبول نہیں کرتا، پھر پوچھا کیا میں اس سے بھی زیادہ برا آدمی نہ بتاؤں؟ لوگوں نے کہا ہاں اللہ کے رسول ﷺ آپ نے فرمایا جس سے خیر کی توقع نہ کی جائے اوراس کی برائیوں سے محفوظ نہ رہا جائے (طبرانی بحوالہ خلق المسلم) اس حدیث میں مختلف درجے کے برے آدمیوں کا تذکرہ ہے ان کی برائیوں کا سرچشمہ بغض وحسد وکینہ ونفرت ہے۔

قارئین! معاشرے میں بہت سی برائیاں جو اپنی صورت میں مختلف ہوتی ہیں اگر آپ غور کریں تو سب کا سرچشمہ بغض وکینہ ہی ملے گا، بے گناہوں کے خلاف بہتان طرازی اسلام کی نگاہ میں بدترین جرم ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے صحابہ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کے نزدیک سب سے بدترین زیادتی کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اللہ کے رسول

زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا سب سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ مسلمان کی عزت کو حلال کرلیا جائے، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی "وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا" جولوگ مؤمنین ومؤمنات کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے بہتان عظیم اور صریح گناہ کا ارتکاب کیا۔ یہ اخلاقی پستی کی بدترین شکل ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کئے جائیں، اس کو اسلام بدترین جرم قرار دیتا ہے طبرانی کی حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی مسلمان کے بارے میں ایسی بات پھیلائی جو اس میں نہیں تھی اس کا مقصد تھا کہ اسے لوگوں میں بدنام اور ذلیل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈال دیگا تا کہ اس نے جو کیا ہے اس کا پورا مزہ چکھادے۔

اسلام نے باہمی محبت ومودت کی حفاظت کے لئے جو آداب بتائے ہیں ان میں چغلخوری کی حرمت بھی ہے کیونکہ اس سے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ آپس کی دوستی دشمنی میں بدل جاتی ہے، اور اسلام چاہتا ہے کہ باہم اخوت ویکجہتی باقی رہے، اسی میں خیر وبرکت ہے اور یہ ایک صالح معاشرے کے لئے ضروری ہے ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ دوسروں کیلئے نیکی کا کام انجام دے یہ انسان کی ملکوتیت کا اقتضاء اور یہی انسانیت ہے اور یہی اسلامی زندگی ہے، اور غیبت وچغلخوری کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے "ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا و الآخرة واللہ یعلم وانتم لا تعلمون" "جولوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں فحش پھیلے وہ دنیا وآخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے جنت میں کوئی چغلخور داخل نہیں ہوسکتا۔ (بخاری شریف) ایک حدیث میں ہے چغلخوری اور کینہ جہنم میں جائیں گے یہ دونوں چیزیں ایک مسلمان کے دل میں جمع نہیں ہوسکتی ہیں (طبرانی) اگر کسی مسلمان کو چغلخوری

کی عادت ہے تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا ایمان ناقص ہے۔ طبرانی کی ایک اور حدیث ہے آپ نے فرمایا: کہ جس کو کسی بھائی کے بارے میں کسی برائی کا علم ہوا اور اس نے اسے چھپا دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا کرم ہے کہ لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اللہ اس بندے کو عرصۂ محشر میں رسوائی سے بچا لے گا۔

قارئین! اسلام ان تمام فاسد جذبات کی بیخ کنی کرتا ہے جو لوگوں کے درمیان دوری پیدا کرتے ہیں۔ اور ان چیزوں کا حکم دیتا ہے جس سے مسلمانوں کے درمیان محبت والفت پیدا ہو، اسلام کامل ایمان کے لئے محبت والفت کو لازمی شرط قرار دیتا ہے" قال النبی ﷺ: والذی نفسی بیده لا تدخلوا الجنة حتی تؤمنوا ولا تومنوا حتی تحابوا، أولا أدلكم علیٰ شئ اذا فعلتموه تحاببتم ،أفشوا السلام بینكم (خرجه المسلم)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ تم مؤمن نہ بن جاؤ، اور مؤمن اس وقت تک نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل پیرا ہو جاؤ تو آپس میں محبت کرنے لگو۔ تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ، سلام کرنے کی فضیلت میں امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایک حدیث بیان کی ہے" عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رجلا مر علیٰ رسول الله ﷺ وهو فی مجلس فقال السلام عليكم،فقال عشر حسنات،فمر رجل آخر فقال السلام عليكم ورحمة الله فقال عشرون حسنةً فمر رجل آخر فقال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته فقال ثلثون حسنة فقام رجل من المجلس ولم يسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اوشك ما نسی صاحبكم اذا جاء احدكم المجلس فليسلم فان بدأ له ان يجلس فليجلس ،واذا

قام فليسلم ماالاولى بأحق من الآخرة'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص کا آنحضور ﷺ کی ایک مجلس پر گزر ہوا اور اس شخص نے (السلام علیکم) کہا، آپ نے فرمایا اس کے لئے دس نیکیاں ہیں، ایک دوسرے شخص کا گزر ہوا تو اس نے کہا (السلام علیکم ورحمۃ اللہ) آپ نے فرمایا اس کے لئے بیس نیکیاں ہیں، پھر ایک دوسرے شخص کا گزر ہوا تو اس نے کہا (السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) آپ نے فرمایا اس کے لئے تیس نیکیاں ہیں، پھر ایک شخص مجلس سے اٹھکر چلا گیا اور سلام نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ساتھی کتنی جلد بھول گیا، جب تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرے، اگر بیٹھنا پسند کرے تو بیٹھے، اور جب اٹھ کر جانے لگے تو سلام کرے، آتے وقت سلام کرنا رخصت ہوتے وقت سلام کرنے سے زیادہ مستحق نہیں ہے۔

ایک روایت میں چوتھے شخص کا بھی ذکر ہے، اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ آپ نے فرمایا، اس کے لئے چالیس نیکیاں ہیں۔

غور کیجئے! السلام علیکم ایک ہلکا پھلکا کلمہ ہے۔ لیکن اسکے فوائد دنیا وآخرت میں کتنے عظیم ہیں، دنیا میں اسکا فائدہ یہ ہے کہ دلوں سے بغض وعداوت دور ہوتی ہے اور آپسی رشتے استوار ہوتے ہیں، کینہ ونفرت کی جگہ محبت واخوت کے لطیف جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ اور آخرت میں بندہ ثواب اخروی کا سزاوار ہوگا۔ ''أفشوا السلام بينكم'' عن ابى هريرة رضى الله عنه عن النبى ﷺ قال: حق المسلم على المسلم خمس ،قيل ماهى ؟قال: اذالقيته فسلم عليه واذا دعاك فأجبهٗ ،واذا استنصحك فانصح لهٗ ،واذا عطس فحمدالله فشمته ،واذامرض فعده ،واذامات فاصحبه (الادب المفرد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ آپ نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں،

لوگوں نے کہا وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا جب کسی مسلمان سے ملاقات کرو تو اس پر سلام کرو۔ اور جب تمہیں دعوت دے تو قبول کرو، اور جب تم سے نصیحت طلب کرے تو نصیحت کرو، اور چھینکے اور الحمدللہ کہے تو اس کا جواب دو یعنی یرحمک اللہ کہو، اور بیمار ہو جائے تو عیادت کرو، اور جب مرجائے تو اس کے ساتھ رہو، یعنی قبر تک جنازے کے ساتھ چلو۔

اس حدیث میں جو حقوق بتائے گئے ہیں وہ بہت ہلکے پھلکے ہیں لیکن اگر مسلمان اس پر خلوص دل کے ساتھ عمل پیرا ہوں تو آپس کی دوریاں ختم ہو جائیں۔ باہمی قربت میں اضافہ ہو جائے، اس طور پر کوئی مسلمان اپنے کو بے سہارا نہیں محسوس کرے گا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے آداب بھی بتائے ہیں۔ ''عن عبدالرحمن بن شِبُلٍ قال: سمعت النبی ﷺ یقول: یسلم الراکب علی الماشی، ویسلم الراجل علی القاعد، ویسلم الاقل علی الاکثر فمن اجاب السلام فھو له ومن لم یجب فلاشئ له (الادب المفرد)

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرمارہے تھے چاہیئے کہ سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے، اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے، اور اقل اکثر کو سلام کرے یعنی اگر دو گروہ آمنے سامنے ہوں تو چھوٹا گروہ بڑے گروہ کو سلام کرے، سوار کو پیدل چلنے والے پر سلام کا حکم ہے، اس میں ایک حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی سواری پر سوار آدمی کو پیدل چلنے والے پر برتری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے پہلے سلام کرنے کی ہدایت ہے تاکہ اس میں ترفع کے بجائے تواضع پیدا ہو جائے۔ قال ابن جریر فأخبرنی ابو ھریرۃ أنه سمع جابرا یقول الماشیان اذا اجتمعا فأیھما بدأ بالسلام فھو افضل۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ فرمارہے تھے کہ دو پیدل چلنے والے جب ملیں تو جو سلام میں پہل کرے وہ افضل ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ

عنه قال قال رسول الله ﷺ: یسلم الصغیر علی الکبیر و الماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر (الادب المفرد)

وعن ثابت البنانی عن انس بن مالك انه مر علی صبیان فسلم علیهم وقال کان النبی ﷺ یفعله بهم حق تو یہ ہے کہ چھوٹے بڑوں کو سلام کریں، لیکن رحمت عالم ﷺ کا معمول تھا کہ ہمیشہ سلام میں سبقت فرماتے تھے۔ یہ آپ کی بچوں پر شفقت ورحمت کے علاوہ اس میں حکمت بھی ہے کہ بچے سلام کی اہمیت کو سمجھیں اور سلام کرنا سیکھیں۔

اسلام میں سلام کے جو الفاظ ہیں ان کے معانی پر غور کیجئے !: دو اجنبی ملتے ہیں ایک کہتا ہے ''السلام علیکم'' تم پر سلامتی ہو۔ دوسرا جواب میں کہتا ہے ''وعلیکم السلام'' تم پر بھی سلامتی ہو، گویا دونوں کے درمیان امن وسلامتی کا معاہدہ ہو گیا، پھر ایک دوسرے کی سلامتی کا ذمہ دار ہو گیا، اب دونوں کے درمیان اجنبیت باقی نہ رہی۔ لیکن افسوس کہ اب سلام واکرام کی رسم رہ گئی، اس کی روح نکل گئی۔ سلام ودعا کے بعد بھی کسی مسلمان کے خلاف درپے آزار رہنا بدترین قسم کی بدعہدی ہے، اللہ مسلمانوں کو اس سے بچائے۔ آمین۔

ناظرین ! اللہ تعالیٰ کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کو باہمی محبت کا ذریعہ قرار دیا ہے اس سے دلوں سے بغض وعداوت دور ہو جاتی ہے، مسلمانوں کے درمیان بغض وعداوت، کینہ ونفرت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا بڑا جرم ہے۔ اس کا اندازہ مسلم شریف کی اس حدیث سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دوشنبہ اور جمعرات کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں لوگوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، ان ایام میں مشرکوں کے سوا ہر ایک کا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے بھائی کے ساتھ بغض وکینہ رکھتا ہے تو اس کے بارے میں وہ کہتا ہے ان دونوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو تا آنکہ وہ آپس میں مصالحت کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے' انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم ''مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں اس لئے ان کے درمیان صلح کراو، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا ہو جائے اور ایک دوسرے کا دشمن بن جائے تو ان دونوں کے درمیان مصالحت کرادو۔ لیکن افسوس! کہ اس معاملہ میں ہم مسلمان بہت غفلت سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ اگر مسلمانوں کے دوگروہوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اور معاملہ طول کھینچ گیا، جھگڑے فساد کی نوبت آگئی تو اس کے اثرات بد سے معاشرے کو کوئی بچا نہیں سکتا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' لا یحل لکم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث یلتقیان فیصد ھذا ویصد ھذا وخیر ھما الذی یبدأ بالسلام ''کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دنوں سے زیادہ قطع تعلق رکھے دونوں ایک دوسرے سے ملیں تو یہ منھ پھیر لے اور وہ منھ پھیر لے۔ اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو (پہلے) سلام کرے۔ ایک دوسری روایت میں ہے' من ھجر اخاہ سنۃ فھو کسفك دمہ ''جس نے اپنے بھائی سے ایک سال تک ترک تعلق کیے رکھا گویا اس نے اس کا خون کردیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ دفعۃً اللہ کے رسول مسکرا پڑے تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا'' ما اضحکک یا رسول اللہ ؟ آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے قیامت کا منظر پیش کیا گیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دو شخص حاضر ہیں ایک شخص کہہ رہا ہے کہ میرے اوپر اس نے ظلم کیا ہے اس کا بدلہ دلایا جائے وہ کہے گا کہ میرے پاس نیکی نہیں کیسے بدلہ دوں تو وہ پہلا شخص کہے گا میرے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں۔ اس وقت آپ کی آنکھیں شدت گریہ سے چھلک پڑیں۔ اور فرمایا: کتنا عظیم دن ہوگا کہ ایک

بھائی اپنے بھائی پر گناہ ڈالنا چاہے گا۔ پھر اللہ تعالی اس سے فرمائیگا ،نظر اٹھاؤ تو وہ دیکھے گا کہ ایک شہر ہے جس کے محلات سونے کے موتیوں سے مرصع ہیں ،اس نے کہا کہ یہ کسی نبی کا یا صدیق کا یا شہید کا ہوگا ،اللہ فرمائیگا جو اس کی قیمت ادا کرے ،بندہ کہے گا اس کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے؟ اللہ تعالی فرمائیگا "بعفوك اخيك " تیرے معاف کردینے سے اپنے بھائی کو،یعنی اس کی قیمت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا حق معاف کردو،تو وہ کہے گا "یارب عفوت "میں نے معاف کردیا۔ اللہ فرمائیگا "فخذبید اخيك وادخله الجنة "تم اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور جنت میں داخل کرلو۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اتقوالله وأصلحوابينكم فان الله يصلح بين المسلمين "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کراؤ، کیونکہ اللہ تعالی قیامت کے دن مسلمانوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ اس روایت کو بیہقی نے کتاب البعث میں درج کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ علامہ منذری نے کتاب الترغیب والترہیب میں بھی نقل کیا ہے،

ناظرین! پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت پاک سے پہلے عرب کے قبائل ہمیشہ برسر پیکار رہا کرتے تھے ،مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے درمیان قتل وغارتگری کا سلسلہ صدیوں سے جاری تھا۔ یہودی اپنی دسیسہ کاریوں سے ان دونوں قبائل کے درمیان جنگ کی آگ مسلسل بھڑکاتے رہتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو آپ نے اوس اور خزرج کے درمیان صلح کرادی اور صدیوں سے جاری جنگ کے شعلے سرد پڑ گئے۔ اس کے علاوہ آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کردی۔ یہ تاریخ کا نا قابل فراموش واقعہ ہے۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بعض حالات کی بنا پر لوگ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ لیکن باوجود غیر معمولی وسائل کے ان کی باز آبادکاری کا مسئلہ حل نہیں ہو پاتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس پیچیدہ مسئلہ کو کس طرح حل کردیا۔ چشم تصور سے دیکھئے ایک طرف بے سروسامان مہاجرین بیٹھے ہوئے ہیں ،دوسری

جانب انصار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہاجر کا نام لیا، پھر انصار کو پکارا، اور فرمایا تم دونوں اب ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو۔ اس کے بعد انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر کا آدھا حصہ مہاجر کے حوالے کر دیا۔ اور اگر ملکیت میں زمین ہے تو کہتا کہ اسے دیکھ لو جو تمہیں پسند آئے اسے لے لو اور دوسرا میرے لئے چھوڑ دو۔

ایک مرتبہ نئی زمینیں قبضے میں آئیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گروہ انصار سے فرمایا ''اب نئی زمینیں قبضے میں آئی ہیں، اس سے مہاجرین کا انتظام کرنا چاہتا ہوں اب تک تم لوگوں نے جو زمین اپنے مہاجر بھائیوں کے حوالہ کی ہیں تم واپس لے لو اس پر انصار بیک زبان پکار اٹھے نہیں یا رسول اللہ یہ زمینیں ہمارے مہاجر بھائیوں کو ہی دے دی جائیں، وہ ہمارے بھائی ہیں ان کے پاس یہ زمینیں ہونگی تو ہم سمجھیں گے کہ ہمارے ہی پاس ہے۔

اب ایک اور واقعہ کا تذکرہ کر رہا ہوں جو جذبۂ ایثار کی ایک منفرد اور انوکھی مثال ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو آواز دی اور انصار میں سے ایک دولت مند انصاری حضرت سعد بن ربیع کو پکارا، دونوں کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا تم دونوں کے درمیان مواخات قائم کر رہا ہوں اب تم دونوں کے درمیان اجنبیت ختم کر دی گئی ،حضرت سعد بن ربیع نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے اور فرمایا یہ میرا مکان ہے اور یہ میری زمینیں ہیں ان کے حصے کئے دیتا ہوں جو پسند آئے وہ تم لے لو اور میرے لئے جو چاہو چھوڑ دو، حضرت سعد بن ربیع نے کہا اے میرے بھائی میرے عقد میں دو بیویاں ہیں دونوں کو دیکھ لو تمہیں جو پسند آئے اسے طلاق دیدوں عدت کے بعد اس سے شادی کر لو، میری اخوت اسے گوارہ نہیں کرتی کہ میرے عقد میں دو بیویاں ہوں اور میرا بھائی بغیر بیوی کے تنہا زندگی گزارے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے میرے بھائی! تم زمین بھی اپنے پاس رکھو اور

بیویاں بھی، بفضلہ تعالیٰ مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔ مجھے تم بازار کا راستہ بتا دو اور بس! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو متحارب اور اجنبی قبائل کے درمیان اخوت اور یکجہتی کا ایسا جذبہ پیدا فرمادیا کہ صحابہ کرام باہم شیر وشکر ہو گئے، ان کے قلوب کینہ ونفرت اور جذبہ انتقام سے یکسر پاک ہو گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ عظیم احسان ہے۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہے ''اذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمته اخواناً'' اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تم لوگ اللہ کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے درمیان اتحاد واخوت کو اللہ تعالیٰ نے احسان عظیم بتایا ہے، اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ باہم ایک دوسرے کے خلاف بغض وعداوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس درجہ مبغوض ہے۔ اس آیت مبارکہ میں نعمت کا لفظ دو جگہ آیا ہے۔ آپ ذرا غور کریں تو معلوم ہوجائیگا کہ دو متحارب انسانوں میں جب صحیح معنوں میں اخوت ومحبت کا رشتہ استوار ہوجاتا ہے تو بلا تاخیر دو نعمتیں حاصل ہوجاتی ہیں۔ پہلی قلبی وروحانی نعمت تو یہ ہے کہ بغض وعداوت کی حالت میں دونوں کے دلوں میں جو آگ بھڑک رہی تھی اس سے نجات مل گئی۔ دوسری بڑی اہم نعمت یہ ہے کہ اب کوئی اپنے کو بے یار ومددگار نہیں سمجھے گا۔ کیونکہ یہ اخوت کا اقتضاء ہی نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد کرے چاہے مظلوم ہو یا ظالم صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کا کیا مطلب؟ تو آپ نے فرمایا ظالم کی مدد یہ ہے کہ یہ اس کو ظلم سے روک دو۔۔۔۔۔۔۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے ''جو اپنے بھائی کی حاجت کے لئے چلا یہاں تک کہ اس کی حاجت پوری کردی تو کل قیامت کے دن پل صراط پر اس کے قدم جمادیگا جہاں لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے''۔

اسلام نے اخوت ویکجہتی کا جو پیغام دیا ہے وہ اس قدر وسیع ہے کہ اس دائرے میں بلا امتیاز رنگ ونسل، زبان وقومیت سب آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" یایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم،ان اللہ علیم خبیر "اے لوگوں ہم نے سب کو ایک ماں اور باپ سے پیدا کیا اور تمہارے مختلف شعوب اور قبائل بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور پرہیز گار ہے، بیشک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے۔

اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوکر اذان دو تو قریش کے سرداروں نے کہا کہ "ما وجد محمد سویٰ ھذاالغرب الاسود "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کالے کوئے کے سوا کوئی اور نہیں ملا، اس پر آیت نازل ہوئی، اور بتایا گیا کہ تم ایک باپ ماں اور کی اولاد ہو رنگ ونسل کی بنیاد پر کسی کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی برتری حاصل نہیں 'لیس لاحد علی احد فضل الا بالتقویٰ "کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں لیکن تقویٰ اور پرہیز گاری کی بنیاد پر۔

اسلام نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد بتا کر واضح کردیا کہ "خلقۃً" تمام بنی نوع انسان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے" ربکم واحدٌ وابلکم واحدٌ کلکم من آدم وآدم من ترابٍ "تم سب کا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے تم آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے جب تمام انسانوں کا پروردگار ایک ہی ہے اور باپ بھی سب کا ایک ہے اور سب کا خمیر ایک ہے تو رنگ ونسل، زبان وقومیت کی بنیاد پر احساس برتری وکمتری کے کیا معنیٰ ہیں؟

ایک گھر میں مختلف رنگ وروپ کے بچے پیدا ہوتے ہیں ان میں کوئی سرخ وسپید اور کوئی سانولا اور کالا ہوتا ہے، تو کیا کالے رنگ کا بچہ کم درجے کا مانا جائیگا؟ کیا صاف رنگ کے بچوں کے مقابلہ میں

کالے رنگ کے بچوں کے حقوق کم ہوں گے؟ خالق کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے "ومن آیاتہ خلق السموٰت والارض واختلاف الوانکم والسنتکم "اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے زمین آسمان کی تخلیق اور تمہاری زبان اور رنگ کا اختلاف ہے۔

اسلام نے تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد بتا کر واضح کر دیا کہ کوئی عربی ہو یا عجمی شرقی ہو یا غربی، کالا ہو یا گورا، خلقۃً ایک دوسرے کے بھائی ہیں یہ ہے اسلام کا آفاقی تصور اتحاد واخوت۔اس کے علاوہ جتنے بھی اتحاد و یکجہتی کے نظریات پیش کئے گئے ہیں وہ بیک وقت دعوت اتحاد بھی دیتے ہیں اور اختلاف کی دیوار بھی کھڑی کر دیتے ہیں۔ذات برادری کا اتحاد مثلاً یادو یادو بھائی بھائی، چھتری چھتری بھائی بھائی، ایسے ہی قریشی قریشی بھائی بھائی، یہ نظریہ ایک قبیلے کے افراد کو باہم متحد ہو جانے کی دعوت تو دے رہا ہے لیکن غیر قریشی کو جدا بھی کر رہا ہے۔اس سے وسیع دائرہ اتحاد قومی اتحاد و یکجہتی ہے۔جیسے ہندی ہندی بھائی بھائی، چینی چینی بھائی بھائی، اس نظریہ میں ذات برادری کی تفریق نہیں بلکہ پورے ملک کے لئے دعوت اتحاد ہے۔لیکن یہ نظریہ ہندی کو چینی سے برمی کو بنگلہ دیشی سے جدا بھی کر رہا ہے۔اس سے کہیں وسیع تر نظریہ اتحاد یہ ہے کہ مشرق مشرق بھائی بھائی، مغرب مغرب بھائی بھائی ہیں۔ظاہر ہے کہ اس دعوت اتحاد میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوگئی تمام اقوام مشرق کو دعوت اتحاد ہے، یونہی بلا تفریق ملک وقومیت اہل مغرب کو یہ نظریہ متحد کر رہا ہے۔یقیناً یہ بہت وسیع دائرہ اتحاد ہے لیکن انسانوں کے درمیان خلیج بھی اتنی ہی وسیع حائل ہوگئی۔تم نے انسانوں کے مابین بعد المشرقین پیدا کر دیا ہے۔اسلام کہتا ہے یہ مشرق اور مغرب کا فرق کیوں؟ اللہ رب المشارق والمغارب ہے اللہ پر ایمان لاؤ کالے گورے، زرد وسرخ، مشرق ومغرب سب ایک ہو جاؤ اللہ کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگو! تم سب کا پروردگار ایک ہے، تم سب کا باپ ایک ہے تم سب اولاد آدم ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے، جب کہ ماں باپ بھی ایک ہیں، خدائے پروردگار بھی ایک ہے تو باہم تفرقہ کس لئے ہے؟ خدا ہمارا آقا ہے اور ہم سب اس کے غلام ہیں لہٰذا ہم سب کو اسی کے سامنے جھکنا چاہیے، انسانی اتحاد اور یکجہتی کا یہی ایک نظریہ ہے اس کے علاوہ باہم اتحاد و یگانگت کی کوئی صورت نہیں ہے۔محترم قارئین! ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت یہی دو بنیادی مقاصد ہیں جس کی تبلیغ کے لئے دنیا میں انبیاء رسل مبعوث کئے گئے اس پر نہ صرف عقبیٰ کی کامیابی وفیروزمندی موقوف ہے بلکہ دنیاوی زندگی میں بھی اس پر قلب وروح کی آسودگی کا انحصار ہے۔مال ودولت کی فراوانی طرح طرح کے سامان تعیش سے انسان قطعاً مطمئن نہیں ہو سکتا۔پہلے بتا چکا ہوں کہ انسانی

زندگی کے دو پہلو ہیں (۱) مادی وجبیی پہلو (۲) ملکوتی اور
روحانی پہلو، دونوں کے تقاضے مختلف ہیں ان میں کسی ایک پہلو کو نظر انداز کر دینا قانون قدرت سے بغاوت ہے، اور انسان اپنی فطرت سے جنگ میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ دیکھئے اس دور میں انسان نے علمی وفنی میدان میں حیرت انگیز ترقیاں کر لی ہیں۔ تیز رفتار کاریں، بلند پرواز جہاز فضاؤں میں اڑ رہے ہیں، زمین کی حیز کشش سے باہر خلاؤں میں انسان قدم رکھ چکا ہے۔ کیا ان تمام ترقیوں کے باوجود قلب وروح کی آسودگی میسر آگئی؟ جواب بالکل واضح ہے نہیں ہر گز نہیں، انسان روحانی کرب وبیچینی میں اس طرح مبتلا ہے کہ ویسا تو دور جہالت میں بھی نہیں تھا

ع وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پر تھے

آپ پڑھ چکے ہیں کہ کلیسا نے مادی پہلو کو نظر انداز کیا نتیجہ بھیانک انجام سے دوچار ہوا، آج ملکوتی پہلو سے انکار کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں ایسی تہذیب وجود میں آرہی ہے جس پر پوری انسانیت شرمندہ ہے۔

اسلام میں اخلاق وکردار کی اہمیت پر کافی روشنی ڈال چکا ہوں پھر بھی مجھے احساس ہے کہ بہت سے ضروری گوشے باقی رہ گئے ہیں جس کی مزید تفصیل کی اس مختصر تالیف میں نہ گنجائش ہے اور نہ ہی میری صحت اس کی متحمل ہوسکتی ہے۔ لیکن اس دور جدید میں مغرب کے ملحدانہ نظریات کے مقابلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ ان کے باطل نظریات کی مسلسل تشہیر سے مشرقی عوام بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں، خود مسلمان بھی مغربی تہذیب کو گلے لگاتے جا رہے ہیں، ان حالات میں قلم نہ اٹھانا فرض منصبی سے کوتاہی ہوگی، دنیا سمجھ رہی ہے کہ انسانی ترقی کے لئے مغرب کی پیروی ضروری ہے۔ جدید علوم وفنون کے ذریعہ مغرب کو وہ ترقی حاصل ہوگئی جن کا ماضی میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ صحیح ہے۔ کون سوچ سکتا تھا کہ انسان فضاؤں میں پرواز کر سکے گا اور حیز زمین سے باہر خلاؤں میں چہل قدمی کریگا۔ چاند پر پہونچ جائے گا۔ یقیناً یہ علوم

وفنون کی حیرت انگیز ترقی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اسے ہم انسانیت کا ارتقاء کہہ سکتے ہیں؟

انڈین فلسفی آنجہانی رادھا کرشنن کا ایک تاریخی واقعہ پیش کر رہا ہوں جس سے آپ بخوبی سمجھ سکیں گے کہ علم وفن کا ارتقاء اور شی ہے اور ارتقائے انسانیت بالکل دوسری چیز ہے۔ آزادیٔ ہند سے پہلے جناب رادھا کرشنن انگلینڈ گئے وہاں ایک فلسفی سے ملاقات ہوئی اس نے بڑی تمکنت سے کہا مسٹر رادھا دیکھ رہے ہو ہم نے تیز رفتار کاریں بنائی ہیں اور ہمارے بنائے ہوئے ہوائی جہاز فضاؤں میں پرواز کر رہے ہیں۔ ہم نے ایسے طاقتور جنگی بحری بیڑے تیار کر لئے ہیں جو خوفناک موجوں کو تہہ وبالا کرتے ہوئے اپنی منزل کی سمت رواں دواں ہیں۔ مسٹر رادھا مشرق کے پاس کیا ہے؟ آنجہانی رادھا کرشنن نے اپنے فطری پروقار لہجے میں جواب دیا ''بے شک اے اہل مغرب تمہیں ہواؤں میں چڑیوں کی طرح اڑنا بھی آگیا اور پانی میں مچھلیوں کی طرح تیرنا بھی آ گیا لیکن افسوس کہ تمہیں زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں آیا'' یہ جواب اس درجہ مسکت تھا کہ مغرب کا مایۂ ناز فلسفی دم بخود ہو کر رہ گیا۔ سچ پوچھئے تو انھیں چڑیوں کی طرح اڑنا آیا اور نہ ہی مچھلیوں کی طرح تیرنا۔

چڑیاں صبح کو اپنے اپنے گھونسلوں سے نکل کر تلاش رزق میں پرواز کر جاتی ہیں۔ اور شام کو آسودہ شکم واپس آکر کچھ دیر مل جل کر شادمانی کے نغمے گاتی ہیں۔ اور پھر اپنے اپنے گھونسلوں میں آرام کی نیند سو جاتی ہیں۔ کسی ہمسایہ کہ نیند میں کبھی خلل انداز نہیں ہوتیں۔ مچھلیاں بھی تلاش رزق میں تیرتی ہیں لیکن تمہارے جنگی جہاز جب فضاؤں میں بلند ہوتے ہیں تو پر امن آبادی ویران ہو جاتی ہے۔ بوڑھے جوان، ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بچے سب موت کی وادی میں پہونچ جاتے ہیں۔ اور تمہارے جنگی جہاز کسی ملک کے ساحل سے گزرتے ہیں تو پورا ملک ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مسٹر رادھا کرشنن نے صحیح کہا تھا تمہیں زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں آیا۔

زمین پر کس طرح چلنا چاہیئے وہ تمہیں اسلام بتائے گا'' لا تمش فی الارضِ مَرحا انکَ لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا'' زمین پر اکڑتے ہوئے پاؤں زور سے پٹک کر نہ چلو تم زمین کو شق نہیں کر سکتے غرور سے سر اونچا کر کے پہاڑوں کی بلندی تک نہیں پہونچ سکتے۔ زمین

چلنے ہی کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے انسانوں کی طرح چلو۔

وعبادالرحمن الذین یمشون علی الارض ھوناوّ اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً "اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار و شائستہ بندے نرم انداز میں چلتے ہیں۔اور انہیں جھال جب مخاطب کرتے ہیں یعنی مذاق کرتے ہیں تو وہ سلام کر کے گزر جاتے ہیں۔یعنی ان کی طرف سے ہر حال میں امن وسلامتی کا پیغام ہوتا ہے۔باقی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ چلنے میں بھی تواضع اللہ کو محبوب ہے۔کبر ونخوت ناپسند ہے۔

اس سلسلے میں ایک بہت ہی روح پرور واقعہ پیش کر رہا ہوں میں نے ایک بہت بڑے اور معتبر عالم سے سنا ہے"ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ دوش بدوش گزر رہے تھے۔سامنے سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ گزر رہے تھے ان کی چال میں کچھ تمکنت تھی حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے برملا ٹوک دیا۔ابوسفیان تمہاری چال میں یہ اکڑ کیسی ہے ولاتمش فی الارض مرحا ...حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بلال تم نے آج غضب کردیا ابوسفیان قبیلہ کا سردار ہے تمہیں یوں برملا تنبیہ نہیں کرنی چاہیے تھی ابوسفیان کو دکھ پہونچا ہوگا۔پھر آپ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت بلال کی شکایت کی۔یارسول اللہ ﷺ آج بلال نے ابوسفیان کو اس طرح ٹوک دیا۔آپ نے دریافت فرمایا تم نے کیا کہا۔عرض کی کہ بلال مجھے ڈر ہے کہ تمہاری باتوں سے ابوسفیان کا دل دکھ نہ گیا ہو۔اس کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر! تمہیں فکر ہے کہ ابوسفیان کا دل دکھ گیا ہو۔اور مجھے فکر ہے کہ کہیں تمہاری باتوں سے میرے بلال کا دل نہ دکھ گیا ہو۔

قارئین! دور جاہلیت میں غلاموں کی کوئی قدر وقیمت نہیں تھی۔بالخصوص حبشی غلاموں کا حال سب سے زیادہ برا تھا۔غور کیجئے اسلام نے سب سے پست طبقے کو کتنا اونچا مقام عطا کردیا فضیلت و برتری کا معیار بدل دیا گیا۔رنگ ونسل،زبان وقومیت کی بنیاد پر ترقی منحصر نہ رہی عروج وارتقاء کے مواقع سب کو یکساں میسر ہیں۔یہ ہے حقیقی ارتقائے انسانیت۔آج دنیا جسے ارتقائے انسانیت سمجھ رہی ہے حقیقت میں وہ

زوال انسانیت ہے۔

فحش وعریاں رسائل وجرائد کی بھرمار،عورتوں کا نیم عریاں لباس،،بہت سے ترقی یافتہ ملکوں میں شادی ایک غیر ضروری چیز ہو کر رہ گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کا بزعم خویش ترقی یافتہ انسان جانوروں سے قریب تر ہوتا جارہا ہے۔بتایئے یہ ارتقائے انسانیت ہے یا ارتقائے بہیمیت؟مغربی تہذیب جس بنیاد پر قائم ہے اس کا نتیجہ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ انسان سوشل حیوان ہے۔اس میں کوئی روحانی وملکوتی پہلو نہیں ہے۔ڈارون کے قانون ارتقاء کی بنیاد پر یہی بندر بے شمار ارتقائی مراحل سے گذر کر انسان بن گئے۔جس قوم کا یہ تصور انسانیت ہو اس سے انسانیت کی توقع کیسے ہو سکتی ہے۔

حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

نئی تہذیب کو ہے واسطہ کیا آدمیت سے　　　　جناب ڈارن کو حضرت آدم سے کیا نسبت

ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر ایک فطری سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بے شعور قانون ارتقاء کے نتیجے میں انسان وجود میں آیا تو ارتقائی عمل کیوں رک گیا؟اچھا اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ماضی میں بے شمار شکلیں بنتی اور بگڑتی رہیں اور آخر میں انسانی پیکر وجود میں آیا تو یہ ارتقائی عمل مستقبل میں کیوں نہ جاری رہے۔علم جدید کے پاس اس ''کیوں'' کا کوئی جواب نہیں ہے۔

ناظرین !اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ کائنات میں مسلسل ارتقائی عمل جاری ہے۔اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کائنات کا ارتقائی عمل مستقبل میں بھی جاری رہیگا۔لیکن یہ ارتقاء بے شعور قانون فطرت کا ارتقاء نہیں ہے،بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقتضاء ہے۔ربوبیت کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ کسی چیز کو یکے بعد دیگرے اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ اپنی حد کمال تک پہونچ جائے۔اسلام کہتا ہے یہ ارتقاء اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقتضاء ہے اور یہ ارتقائی عمل مستقبل میں بھی جاری رہے گا انسان کا مرجانا کلیۃ ناپید ہو جانا نہیں ہے بلکہ ایک مرحلۂ حیات سے دوسرے مرحلۂ حیات میں داخل ہو جانے کا نام موت ہے۔

چھوڑ کر مانند بو تیرا چمن جاتا ہوں میں

رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں (علامہ اقبال)

پھر آخری مرحلہ میں اگر ایمان وعمل اور اچھے کردار کے ساتھ پہونچے گا تو انسان اس دنیا سے، بہت مختلف ہوگا۔

اس دنیا میں انسانی زندگی کو موت کا کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ وہاں صحت ہوگی بیماری نہیں ہوگی۔ شباب کی حالت میں رہے گا بوڑھاپا قریب نہیں آئے گا۔ بہار ہی بہار ہوگی خزاں کا گزر نہ ہوگا۔ چڑیاں خوشی کے نغمے گائیں گی کوئی صیاد گھات میں نہ ہوگا۔ اس دنیا میں انسان کی خواہشات کبھی پوری نہیں ہوتیں۔
(بقول غالبؔ)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

لیکن آخرت میں کوئی تشنہ کام نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "ونحن اولیٰئکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلا من غفور رحیم "تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے آخرت میں بھی رہیں گے۔ جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لئے (جنت میں موجود) ہے۔ غفور رحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو المستعان، وصلی اللہ علی نبیہ محمد وعلی الہ وصحبہ وسلم

مظفر حسن ظفر ادیبی